خانوادۂ حمد و نعت و مناقب یعنی
خانوادۂ رؤفؔ امروہوی کے چشم و چراغ

حامدؔ و مخفیؔ

اور

ان کے کلام کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی

خانوادۂ حمد و نعت و مناقب یعنی خانوادۂ رؤفؔ امروہوی کے چشم و چراغ

حامدؔ و مخفیؔ

اور

ان کے کلام کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

In the name of Allah, most beneficent, most mercifull.

ترتیب

۱۔ ابتدائیہ	۹
۲۔ امروہہ اور اس کی ادبی و شعری روایات	۱۱
۳۔ حامدؔ امروہوی کا خاندانی پس منظر	۱۷
۴۔ حامدؔ امروہوی - مختصر تعارف	۲۵
۵۔ حامدؔ امروہوی کا خودنوشت منظوم تعارف	۳۱
۶۔ حامدؔ امروہوی کی قلمی کاوشیں	۴۲
شعری مجموعے	
✪ مدحت کے پھول	۴۳
✪ خیابان ارم	۴۶
✪ جو یبارِ بخشش	۴۹
✪ وسیلۂ بخشش	۵۲
مرتبہ مجموعے	
✪ متاعِ مخفی	۵۷
✪ سرمایۂ روفؔ امروہوی	۵۷
۷۔ اصناف سخن :	
✪ حمد الٰہی	۵۸

○ نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ۶۷
○ سلام بحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت امام حسینؓ ۱۰۳
○ منقبت بحضور آل واصحاب و بزرگان دین ۱۱۰
۸۔ غزل گوئی ۱۳۸
۹۔ متفرق کلام کا جائزہ ۱۴۶
○ سہرے وتہنیتی نظمیں ۱۵۱
○ اجرائے کتب کے موقع پر ۱۵۵
○ اہم شخصیات کے اعزاز میں ۱۵۹
○ حزنیہ نظمیں ۱۶۱

"متاعِ مخفیؔ"

۱۔ مخفیؔ - ایک مختصر تعارف ۱۶۷
۲۔ کلام مخفیؔ ۔ ایک جائزہ ۱۶۹
۳۔ حامد ومخفیؔ کے تعلقات ۔ شعر وشاعری کے آئینے میں ۱۷۲
۴۔ مخفیؔ کی حمد وثنا ۱۷۵
۵۔ مخفیؔ کی نعت گوئی ۱۷۸
۶۔ مخفیؔ کی منقبت نگاری ۱۸۱
۷۔ مخفیؔ کا خراج عقیدت ۱۸۲
۸۔ مخفیؔ کی غزل گوئی ۱۸۵
۹۔ مخفیؔ کی نظم نگاری ۱۹۵
۱۰۔ مخفیؔ کا قومی وملی احساس ۱۹۷
۱۱۔ مخفیؔ کی تاثراتی نظمیں ۱۹۹
حامد ومخفیؔ کی شخصیت وشاعری مشاہیر ادب کی نظر میں ۲۰۲

تعارف مصنّف

نام	:	شجاع الدین فاروقی
والد محترم	:	علامہ الحاج حافظ مولانا محمد مبین الدین فاروقی قادریؒ محدث امروہہ
وطن	:	امروہہ - یو.پی
قیام	:	علی گڑھ - یو.پی
ولادت	:	۱۵ جنوری ۱۹۵۳ء (ہائی اسکول سارٹیفکٹ کے مطابق)
تعلیمی استعداد	:	بی.اے (آنرز) سیاسیات۔ بی.ایڈ ایم.اے (سیاسیات) ایم.اے (تاریخ) ایم.اے (اردو ادب) ایم فل. پی.ایچ ڈی (فکر اقبال پر)
مشغلہ	:	درس وتدریس، مطالعہ، تصنیف وتالیف
مطبوعات	:	۱۲ کتب ورسائل ۸۵ مقالات ومضامین نیز متعدد غیر مطبوعہ

اعزازات : ۱. مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم.اے اردو میں پرائیویٹ امیدوار ہونے کے باوجود سب سے زیادہ نمبر حاصل کر کے ٹاپ کیا اور یونیورسٹی میڈل و سارٹیفکٹ حاصل کیا۔ (۱۹۸۲ء)

۲. کانگریس کمیٹی بمبئی نے ۱۹۸٦ء میں مضامین کا ایک انعامی مقابلہ منعقد کیا تھا اس میں شامل ہو کر ڈیڑھ ہزار روپیہ کا اوّل انعام حاصل کیا۔ اسی مضمون کو بہترین طرز نگارش کا پانچسو روپیہ کا انعام بھی دیا گیا۔ مضمون ۷۰ صفحات پر مشتمل تھا اور موضوع تھا۔

''ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں نہرو خاندان کی خدمات''

۳. ۱۹۸۹ء میں دہلی اردو اکیڈمی نے مولانا آزاد کے تعلیمی و ثقافتی نظریات پر مضامین کا ایک مقابلہ کرایا تھا۔ اس موضوع پر میرے مضمون کو دو ہزار روپیہ کے نقد انعام اور شیلڈ و سارٹیفکٹ کا حقدار قرار دیا گیا۔

دوسرے مضمون 'عہد نہرو۔ ایک مطالعہ' کو بھی پانچسو روپیہ کا انعام اور شیلڈ و سارٹیفکٹ دیا گیا۔

۴. متعدد سیمناروں میں شرکت کر کے مقالے پیش کئے اور سارٹیفکٹ حاصل کئے۔

انتساب

ان تمام حامدوں، ناعتوں اور مداحوں کے نام
جن کی
بدولت حمد ونعت ومناقب کا سدابہار گلشن گل وگلزار رہتا ہے
اور نئے نئے گلدستوں سے اس کی آرائش وزیبائش میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

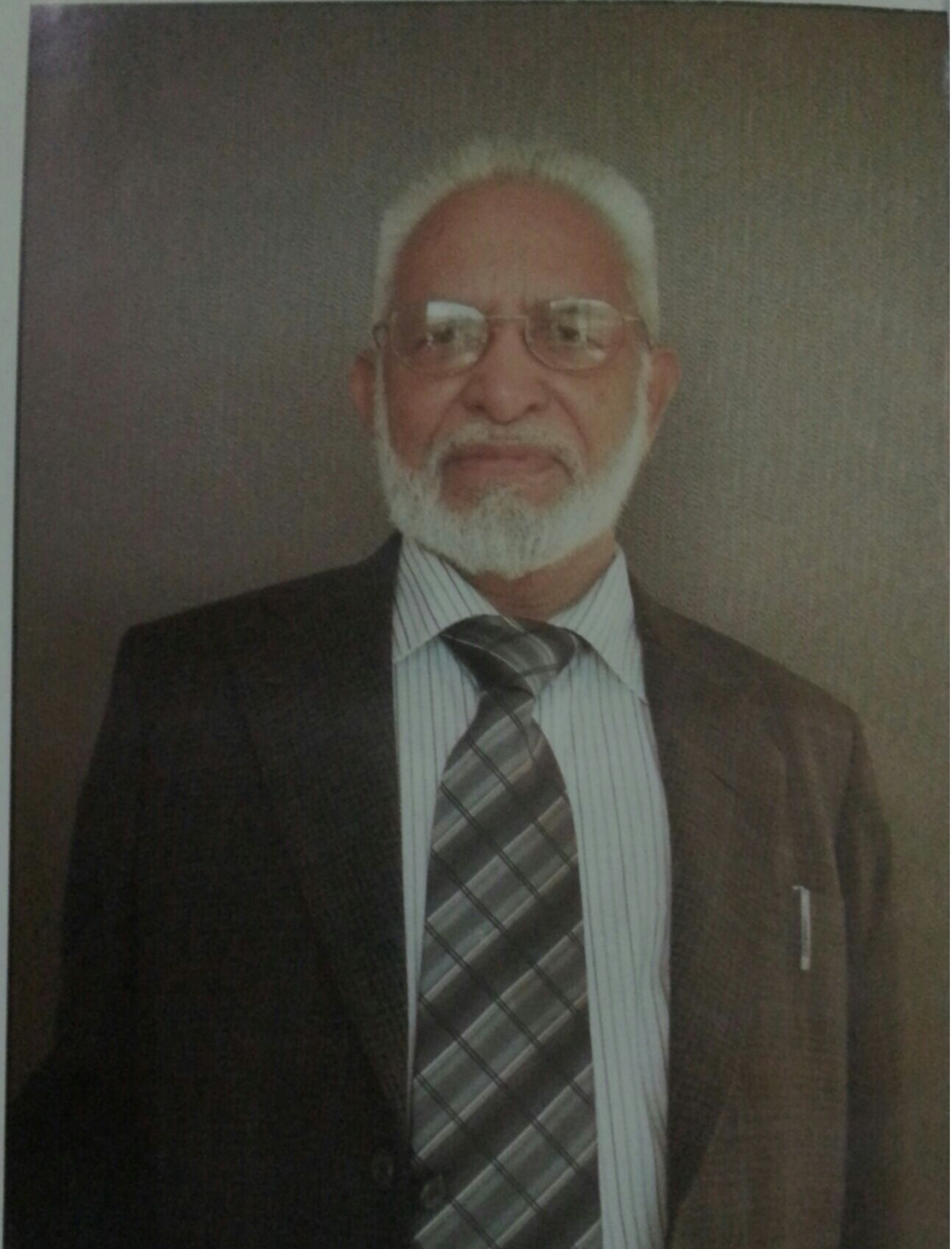

حامد امروہوی

ابتدائیہ

حامدؔ امروہوی ریاستہائے متحدہ امریکہ کے شہری ہیں اور اس کے مشہور و معروف اور عظیم شہر شکاگو کے ایک حصے میں رہائش پذیر ہیں لیکن انھوں نے نہ اپنا ''امروہہ پن'' چھوڑا ہے اور نہ امروہوی کی نسبت، حالانکہ ان کی زندگی کا دوتہائی سے بھی زیادہ حصہ امروہہ سے باہر ہی گزرا ہے پھر بھی وہ امروہہ کی محبت اور قلبی تعلق کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ نسبت اور محبت ان کے کردار کی عظمت کی مظہر ہے۔

امروہہ کو ''ایوان شاعری'' کہا گیا ہے اور اس ایوان شاعری کا مرکز ومحور ''خانوادۂ رؤفؔ'' ہے جس نے حمد ونعت ومنقبت کے میدان میں اختصاص حاصل کیا ہے اور تین نسلوں کے پانچ شاعر عطا کیے ہیں۔ اسی خانوادے کے ایک فرد وحید مرزا حامد حسین المتخلص بہ حامدؔ امروہوی ہیں۔

حامدؔ امروہوی یوں تو پیدائشی اور خاندانی شاعر ہیں اور اوائل عمر سے ہی شعر کہہ رہے ہیں لیکن سوئے اتفاق کہ وہ ایسی ملازمت میں رہے کہ ایک طویل عرصے تک دفتری ذمہ داریوں اور فائلوں کے انبار نے ان کے شعری ذوق کو مغلوب رکھا اور وہ ایک طویل عرصہ تک شعر گوئی سے دور ہی رہے۔ لیکن شعروشاعری کے جو بیج ایک عرصہ تک دبے رہے تھے وہ موقع ملتے ہی ایک خوشنما پودے کی شکل میں نمودار ہوگئے، دیکھتے ہی دیکھتے یہ پودا ایک تناور درخت بن گیا اور خوبصورت برگ و بار دینے لگا۔ جس کی بھرپور فصلیں ''مدحت کے پھول''۔ ''خیابان ارم''۔ ''جوئبار بخشش'' اور ''وسیلۂ بخشش'' کی صورت میں سامنے آچکی ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ ان بیجوں کو اپنی مٹی اور آب ہوا راس نہیں آئی تھی اس لئے یہ خاموش اور وقت کے منتظر رہے۔ انھیں موقع ملا تو دور کی آب و ہوا، اجنبی ماحول اور دیار غیر

میں۔ بہر حال موقع تو موقع ہے وہ جب بھی اور جہاں بھی ملے اسے ضائع نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس کا بھر پور فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ حامدؔ امروہوی نے یہی کیا اسی کے نتیجے میں آج وہ حمد و نعت و مناقب کے نامور شاعر اور چار خوبصورت مجموعوں کے خالق ہیں۔

ان کا شعری ذوق امریکہ کے دوران قیام پروان چڑھا وہاں رہتے ہوئے انھوں نے اس ذوق کی بھر پور آبیاری کی اور بہترین نعت و مناقب کا ذخیرہ جمع کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے انھیں مالی وسعت عطا فرمائی تو اس ذخیرے کو چار مجموعوں کی شکل میں شائع کرا دیا اور ہر مجموعہ کو بہترین کتابت و طباعت سے مزین کرایا۔

حامدؔ امروہوی کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے دیار غیر میں رہتے ہوئے صرف اپنے ہی ذوق کا سامان مہیا نہیں کیا بلکہ ایک اجنبی ماحول اور انتہائی مصروف و انفرادی زندگی گزارنے کے عادی لوگوں کو حمد و نعت و مناقب کی محفلوں کا اہتمام کرنے اور انھیں آراستہ کرنے کا خوگر بنا دیا۔ ان کی کوششوں نے بکھرے ہوئے شاعروں اور سامعین کو یکجا کیا۔ اس طرح کی محفلوں کا اہتمام کرنے پر راغب کیا اور بالآخران کا عادی بنا دیا۔ آج وہاں اس قسم کی محفلوں کے اہتمام کا خوب چلن ہے اور یہ ایک حد تک حامدؔ امروہوی کی مرہون منت ہیں۔

حامدؔ امروہوی کا ایک اور امتیاز خاص یہ ہے کہ ان کی بیگم سردار خانم یوسف زئی بھی شاعرہ ہیں، مخفیؔ تخلص رکھتی ہیں اور امریکہ میں منعقد ہونے والے مشاعروں اور نعتیہ محفلوں میں شوہر نامدار کے ساتھ شرکت کرتی رہی ہیں ان کا مجموعہ کلام بھی شائع ہو چکا ہے ان کی شاعری کا اپنا الگ رنگ ہے جو نمایاں طور پر نسوانی جذبات و احساسات کی نمائندگی کرتا ہے۔ اردو ادب میں ولیؔ دکنی سے اب تک گنتی کے چند ہی ایسے شاعر ہوں گے جن کی بیویاں بھی شاعرہ ہوں۔

اس طرح حامدؔ امروہوی بہ یک وقت کئی امتیازات کے حامل ہیں۔ اس کتاب میں حامدؔ و مخفیؔ کے حالات زندگی اور کلام کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب ایک بھر پور تحقیقی کام ہے، ایک تجزیاتی مطالعہ ہے۔ ہر بات اور ہر شعر کو مکمل حوالے سے مزین کیا گیا ہے۔ اہل نظر ہی اس کی اہمیت و افادیت محسوس کر سکتے ہیں۔

○■○

امروہہ اور اس کی ادبی و شعری روایات

امروہہ، تاریخ امروہہ کے مصنف محمود احمد عباسی کے مطابق قبل مسیح کی ایک بستی ہے جسے ایک راجپوت راجہ امر جودھ نے بسایا تھا۔ چونکہ یہ بستی آموں کے باغوں سے گھری ہوئی تھی اس لئے اسے امرونم کہا گیا یعنی آموں کی جگہ۔ رفتہ رفتہ لسانی تبدیلیوں کے ساتھ اسے امروہا یا امروہہ کہا جانے لگا۔ مسلمانوں کی آمد کے بعد عہد سلطنت کے مورخین نے بھی اسے آموں کی مناسبت سے ''انبروہہ'' یعنی آموں کی جگہ لکھا ہے۔ چونکہ فارسی میں آم کو انبہ کہا جاتا ہے۔ اس لیے اس بستی کو انبروہہ لکھا ہے، عہد اکبر و جہاں گیر کے اکثر فرامین اور تاریخی کتابوں میں بھی اس کے نام کا یہی املا ملتا ہے۔

امروہہ کے عوام میں یہ روایت مشہور ہے کہ یہ نام یہاں کے مشہور بزرگ حضرت سید شاہ شرف الدین شاہ ولایت علیہ الرحمہ کا عطا کردہ ہے۔ جب وہ پہلی بار اس بستی میں آئے تو یہاں آموں اور روہو مچھلی کی کثرت دیکھی۔ انھیں دونوں کی مناسبت سے انھوں نے اسے امروہہ قرار دیا۔

محمود احمد عباسی مذکورہ بالا تاریخی حوالوں سے اس روایت کی تغلیط کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''آپ کی تشریف آوری بلکہ ولادت سے بھی بہت پہلے اس مقام کا یہی نام اسلامی تاریخوں میں جا بجا ملتا ہے۔ (تاریخ امروہہ، ص ۳)

مسلمانوں کی آمد سے قبل یہاں راجپوت بکثرت آباد تھے۔ انکے عہد کی بہت سی نشانیاں اب بھی امروہہ اور اس کے قرب و جوار میں پائی جاتی ہیں۔ جب شمالی ہند پر محمود غزنوی کے حملے شروع ہوئے تو امروہہ بھی ان کی زد میں آیا لیکن محمود غزنوی کی افواج فتح اور فتوحات

کے حصول کے بعد واپس چلی جاتی تھیں اور یہ علاقے پھر سے مقامی حکمرانوں کے زیر تسلط آجاتے تھے اس لیے مسلمانوں کی آمد کا اثر وقتی اور عارضی ہوتا تھا۔

روایت ہے کہ سید سالار مسعود غازی اور ان کے لشکر نے میرٹھ، امروہہ، سنبھل اور بدایوں وغیرہ کے علاقے میں زبردست فتوحات حاصل کی تھیں اور اسی طرح دیگر علاقوں میں فتوحات حاصل کرتے ہوئے بہرائچ تک جا پہنچے تھے۔ وہیں ایک معرکے میں انھوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ان کا مزار آج بھی بہرائچ میں زیارت گاہ عوام وخواص ہے اور وہاں ہر سال عرس کے موقع پر بہت بڑا میلہ بھی لگتا ہے۔ امروہہ میں بہت سے قدیم مزارات شہداء ہیں۔ ان سب کو حضرت غازی کا رفقاء بتایا جاتا ہے۔ ان کے متعلق مختصر سی معلومات ہیں لیکن یہ مزارات صدیوں سے زیارت گاہ بنے ہوئے ہیں اور اکثر کے شاندار عرس ہوتے ہیں۔

۵۸۹ھ-۹۰، ۱۱۹۳ء-۹۴ میں محمد غوری کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے امروہہ، سنبھل، بدایوں، میرٹھ، برن (بلند شہر) کول (علی گڑھ) وغیرہ کے علاقے کو فتح کر کے اور دہلی کو مرکز بنا کر محمد غوری کے نائب کی حیثیت سے حکومت کی۔ محمد غوری کے انتقال کے بعد ۱۲۰۶ء میں اس نے اپنی آزاد حکومت اور دہلی سلطنت کی بنا ڈالی۔ مذکورہ بالا سبھی شہر اس کی حکومت کے اہم اقطاع (ضلع) قرار پائے لیکن ان سبھی علاقوں میں ہندوؤں کا غلبہ تھا اور وہ موقع ملتے ہی دہلی سلطنت کے خلاف بغاوت کرتے رہتے تھے۔ ضیاء الدین برنی نے ''تاریخ فیروز شاہی'' میں لکھا ہے:

> متواتر خبرمی رسید از کٹھیر که مفسدان کٹھیر بسیار شدند و ده هائی رعیت رانهب و تاراج می کنند ولایت بداؤں و امروهه رامزاحمت می نمایند و فسادها آشکارامی کنند و چنان باقوت شده اند که ازمقطع بداؤں و امروهه چشم نمی زنند۔ (بحوالہ تاریخ امروہہ، ص ۱۷)

''متواتر خبریں پہنچیں کہ کٹھیر میں مفسد بہت ہوگئے ہیں۔ رعایا کے مواضعات لوٹتے اور خراب کرتے ہیں۔ ولایت بداؤں وامروہہ کو نقصان پہنچاتے اور کھلم کھلا

فساد کرتے ہیں اور ان کی قوت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ وہ حاکم بداؤں وامروہہ کے قابو میں نہیں آرہے ہیں۔"

اس خبر پر بلبن پانچ ہزار فوجیوں کا ایک منتخب لشکر لے کر اس علاقے میں آیا۔ اس نے اس علاقے کے جنگلات کو صاف کرایا جو باغیوں کے پناہ گاہ بنے ہوئے تھے۔ اس نے باغیوں کی اس سختی سے سرکوبی کی کہ ایک عرصہ تک یہاں مکمل امن وامان رہا۔ اس انتظام کے ساتھ ان علاقوں میں مسلمانوں کے بڑے بڑے گروہ لاکر آباد کئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان علاقوں میں مسلمان بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں اور تب ہی سے یہ مقامات دارالاسلام اور مشرقی واسلامی علوم کا گہوارہ رہے ہیں۔ صدہا اولیاء اللہ نے یہاں قیام کر کے رشد وہدایت کے چشمے جاری کئے۔ اسی لئے یہاں بزرگان دین کے مزارات بکثرت پائے جاتے ہیں اور آج بھی مرجع خلائق ہیں۔

دہلی کی فتح کے بعد امروہہ، سنبھل اور بدایوں شمالی ہند کے وہ اہم مقامات تھے جہاں مسلمانوں نے عسکری لحاظ سے ہی مضبوط چھاؤنیاں اور قلعے نہیں بنائے بلکہ علم وادب کی بھی مضبوط اساس قائم کی۔ جلد ہی یہ شہر علماء وصلحاء اور ادباء وشعر کا مسکن اور علم وادب کا مرکز بن گئے۔ "امروہہ درحقیقت ایوان شاعری ہے" کہتے وقت یقیناً محشر لکھنوی کے ذہن میں امروہہ کی قدیم علمی وادبی تاریخ وروایات رہی ہونگی۔

عہد قدیم میں علوم عقلیہ ونقلیہ کے ساتھ علم طب میں درک اور شعر وسخن سے شغف علماء کی خصوصیات اور شناخت سمجھی جاتی تھیں اس لئے ہر تعلیم یافتہ شخص شعر وشعری کی طرف ضرور راغب ہوتا تھا اور بطور تفنن طبع شعر ضرور کہتا تھا۔ آخر عہد مغلیہ میں جب فارسی کے زوال کے ساتھ اردو کو عروج حاصل ہوا اور اس نے بازاری زبان سے علمی وادبی زبان بننے کی کوشش شروع کی تو امروہہ کے میر اسمٰعیل ان چند لوگوں کی صف اول میں تھے جنھوں نے اس نوخیز زبان کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔ کافی عرصہ تک یہی یقین کیا جاتا رہا کہ میر اسمٰعیل امروہوی ہی شمالی ہند کے پہلے مثنوی نگار ہیں۔ بعد میں دریافت ہونے والی چند مثنویوں نے اولیت کا تاج

ان سے چھین لیا لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ میر اسمٰعیل امروہوی اول نہیں تو اولین مثنوی نگاروں میں ضرور ہیں۔

میر اسمٰعیل متوفی ۱۷۱۱ء، ۱۱۲۳ھ کو محققوں اور تذکرہ نگاروں نے طویل عرصہ تک نظر انداز کیا اور غالباً اس کی وجہ یہ رہی کہ ان کی مثنویاں بعد میں دریافت ہوئیں۔ بہر حال سب سے پہلے مولوی عبدالحق نے کراچی کے سہ ماہی مجلّہ ''اردو'' اپریل ۱۹۵۱ء میں ان کا اور ان کی مثنوی'' وفات نامہ بی بی فاطمہ'' کا تعارف شمالی ہند کی سب سے قدیم مثنوی کی حیثیت سے کرایا۔ مولوی عبدالحق نے اس کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

> ''شمالی ہند میں اس وقت تک جو پرانی اردو کتابیں دستیاب ہوئی ہیں'' ان میں سب سے پرانی کتاب جو مجھے ملی ہے وہ ''وفات نامہ بی بی فاطمہ'' ہے اس کے مصنف کوئی اسمٰعیل ہیں جو امروہہ کے رہنے والے ہیں۔''

۱۶۹۳ء میں لکھی گئی ۳۱۹ اشعار پر مشتمل یہ مثنوی شمالی ہند کی اگر سب سے قدیم نہیں تو قدیم ترین مثنویوں میں سے ایک ضرور ہے۔ اس کے علاوہ ۱۴۸ اشعار پر مشتمل ان کی ایک اور مثنوی موسومہ بہ ''معجزہ انار'' بھی دستیاب ہوئی ہے اور دونوں ہی مثنویوں میں انھوں نے اپنے ''امروہوی'' ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اول الذکر مثنوی کے شعر ۳۱۱ میں کہتے ہیں۔

وطن امروہہ مرا ہے شہر نام
اسی جائے پر مرا ہے گا قیام

''معجزہ انار'' کے شعر ۱۴۰ میں اس طرح کہتے ہیں۔

کہ ہے امروہا شہر میرا وطن
جو دلی کے نزدیک ہے بامن

میر اسمٰعیل امروہہ کے مشہور بزرگ شاہ شرف الدین شاہ ولایت امروہہ کی اولاد میں تھے۔ ان کی اولاد داخلاف محلہ کنزہ غلام علی میں آباد تھے۔ یہ خاندان تمام شاہی ادوار میں صاحب عزت و منصب اور صاحب علم وفن رہا۔ میر اسمٰعیل کے پردادا میر سید محمد عہد اکبری کے

میر عدل (وزیر انصاف واوقاف) تھے۔ان کے والد میر محمد ابراہیم جہاں گیر و شاہ جہاں کے دور میں مختلف جلیل القدر عہدوں پر فائز رہے۔ میر اسمٰعیل کے پوتے سید محمد اکبر المتخلص بہ دیوانہ کا شمار دہلی کے مشاہیر شعراء میں ہوتا تھا۔ نبیرہ میر اسمٰعیل سید غلام علی ثانی حسینی اپنے عہد کے استاد و نامور شاعر تھے۔ اردو میں ''قصہ ماہیار و چندر بدن'' انھیں کی تصنیف ہے۔ اسی خاندان کے میر سعادت امروہوی کے متعلق ہماری معلومات محدود ہیں مگر اہل امروہہ کے لئے یہ بات قابل فخر ہے کہ میر سعادت ہی وہ شخص ہیں جن کے مشورے نے میر تقی میر کو ''میر اردو'' بنایا۔ میر کے ایک اہم شاگرد میر عبدالرسول نثار بھی امروہہ کے ہی رہنے والے تھے۔ اردو ادب میں مصحفی کی حیثیت و مقام مسلم ہے۔ مصحفی اردو ادب کی وہ نامور شخصیت ہیں جنھوں نے دہلی و لکھنؤ دونوں ہی جگہ اپنی استادی کے علم بلند کئے اور متعدد ضخیم دیوان یادگار چھوڑے۔ لکھنؤ میں انشاء کے ساتھ ادبی معرکوں کی وجہ سے بھی ان کی اپنی الگ شہرت ہے۔ لکھنؤ میں خواجہ حیدر علی آتش اور میر مستحسن خلیق (میر حسن کے بیٹے اور میر انیس کے والد اور مشہور مرثیہ گو جیسے صدہا شاگرد انھیں کے دامن تربیت سے وابستہ تھے۔ عظیم شاعر ہونے کے ساتھ وہ تذکرہ نگار کی حیثیت سے بھی ایک اہم مقام کے حامل ہیں۔ ان کا مولد و وطن امروہہ تھا اس لیے ان کے امروہوی ہونے پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے۔

محزوں اور عالم شاہ امروہہ کے پیرزادے اور مرثیہ گو شاعر تھے۔ اکثر تذکروں میں ان کا ذکر ہے۔ مصحفی کے بقول قرب و جوار میں انکی بڑی شہرت تھی۔

دربار رامپور سے وابستہ سید محمد جواد شمیم امروہوی ایک نامور شاعر تھے۔ ان کے والد حیدر حسین یکتا امروہوی کا شمار بھی بڑے شعراء میں ہوتا تھا۔ ان کے پوتے سید محمد قاسم رضا نسیم امروہوی نے بھی کافی شہرت و مقبولیت حاصل کی۔

گزشتہ صدی میں صفی امروہوی، قوی امروہوی، ساکت امروہوی، شفق امروہوی، حیات امروہوی، درخشاں امروہوی، مولوی فضل ستار لاابالی، مولانا سید محمد خلیل احمد خاکی، صوفی نور اللہ عیش، سلطان احمد شہباز، مولانا نسیم احمد فریدی، مولوی محمد عبادت کلیم، حکیم کلب علی شاہد، مختار احمد تاباں اور حضرت روف امروہوی وغیرہم وہ چند بزرگ ہستیاں ہیں جنھوں نے امروہہ

میں رہ کر یہاں کی شعری روایات اور علمی وادبی ماحول کو برقرار رکھا۔ تقسیم ملک کے بعد سرحد پار میر حبیب احمد افقؔ کاظمی، رئیس امروہوی، نسیمؔ امروہوی اور جون ایلیا وغیرہم نے امروہہ کے نام کو سر بلند رکھا۔

موجودہ دور میں ان بزرگوں کی جگہ پُر کرنے والوں اور جانشینی کا حق ادا کرنے والوں میں حضرت روفؔ کے فرزندان گرامی۔ سیفیؔ، حامدؔ، ساجدؔ کے علاوہ مرزا افسر بیگ افسرؔ، محمد احمد بقاؔ، زبیر رضوی، طربؔ ضیائی، ڈاکٹر محمد سیادت فہمیؔ، ڈاکٹر محمد شفاعت فہیمؔ، شمیم نقوی، عظیم امروہوی، نورؔ امروہوی عقیل دانشؔ وغیرہم ہیں جو امروہہ، بیرون امروہہ اور ممالک غیر میں بھی امروہہ کی علمی، ادبی اور شعری روایات کا پرچم بلند کئے ہوئے ہیں۔

شعرائے امروہہ کا یہ محض ایک سرسری تذکرہ و جائزہ ہے ورنہ یہ فہرست تو اس قدر طویل ہوسکتی ہے کہ ایک ضخیم کتاب ہی اس کی متحمل ہوگی۔

○■○

حامد امروہوی کا خاندانی پس منظر

حامدؔ امروہوی کا نسلی و نسبی تعلق مغلوں سے ہے۔ وہ مغلوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جسے 'لاری' کہا جاتا ہے۔ ان کے بزرگ بابر اور دیگر مغلوں کے ساتھ وارد ہندوستان ہوئے اور آگرہ میں رہائش پذیر۔ ابتدائی عہد مغلیہ میں اس خاندان کے افراد حکومت کے اہم عہدوں پر فائز ہوتے رہے اور علم وفن سے بھی منسلک رہے۔ اسی خاندان کے ایک فرد مرزا زین الدین امروہہ آئے اور یہیں کے باشندے ہو گئے انھیں کی چھٹی یا ساتویں پشت میں مرزا حامد حسین ہیں۔

ان کے والد محترم الحاج حافظ ماسٹر عبدالروف۔ روفؔ امروہوی (۱۸۹۴ء-۱۹۸۶ء) مشہور نعت گو شاعر اور امروہہ کے معروف و صاحب حیثیت لوگوں میں سے تھے۔ عملاً عزلت نشیں و گوشہ گیر تھے۔ امروہہ سے باہر تو کجا امروہہ کے مشاعروں میں بھی کم ہی شرکت کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ انھیں امروہہ سے باہر شہرت حاصل نہ ہوسکی، حالانکہ ان کے تین مجموعہ ہائے کلام شائع ہوئے اور انھوں نے حمد و نعت و منقبت کے میدان میں اختصاص حاصل کر لیا تھا۔ البتہ امروہہ اور اس کے مضافات میں نعت و منقبت کا جو بھی پروگرام ہوتا ہے وہ کلام روفؔ کے بغیر نہیں ہوتا۔ خصوصاً رمضان المبارک کے سحر خیزی کے پروگرام اور نعت و میلاد کی محفلیں روفؔ امروہوی کی نعتوں سے معمور رہتی ہیں۔

ان کی ولادت امروہہ کے محلہ صدو میں ۱۸۹۴ میں مرزا شفیع اللہ بیگ کے یہاں ہوئی پرورش و ابتدائی تعلیم امروہہ میں ہی ہوئی۔ مکتبی تعلیم اور حفظ قرآن میں مشغول تھے کہ والدہ اور بھائی کے ساتھ اپنے والد محترم کے پاس کوہ آبو چلے گئے جہاں وہ بسلسلہ ملازمت مقیم

تھے۔ ایک سال بعد واپسی ہوئی اور امروہہ میں تعلیم کا سلسلہ پھر شروع ہوا۔ ۱۹۱۵ء میں امام المدارس امروہہ سے انٹرنس (درجہ دہم) کا امتحان امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا اور انعام حاصل کیا۔ اس وقت فارسی کے مشہور استاد و شاعر مولوی فضل ستار لا ابالی کے ایماو مشورے اور نواب وقار الملک مشتاق حسین خاں کی سفارش پر ان کا داخلہ ایم، اے، او کالج علی گڑھ میں ہوا۔ وہاں فرسٹ ایر کا امتحان پاس کیا اور چھٹیوں میں اورنگ آباد ضلع بلند شہر کے ایک رئیس سید حاتم علی کے بچوں کے اتالیق بن کر وہاں چلے گئے۔ وہیں ایک دن گھوڑے کی سواری کرتے ہوئے اس سے گرے اور داہنی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ کئی ماہ اس کے علاج میں لگے۔ اس لئے تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا اور نتیجتاً سالانہ امتحان میں ناکام رہے۔ دوسرے سال بھی ناکامی ہی مقدر بنی اور تعلیم کا سلسلہ ہی منقطع ہو گیا۔ اس کمی کو انھوں نے ذوق مطالعہ اور فیض صحبت سے پورا کیا۔ اردو، فارسی اور انگریزی میں مہارت حاصل کی اور تہذیب نفس کی تکمیل میں ہمیشہ مشغول رہے۔ تصوف اور اسلامیات کا گہرا مطالعہ کیا اور تفکر فی القرآن کو روزانہ کا معمول بنالیا۔ وہ روزانہ ایک پارہ معہ ترجمہ وتفسیر پڑھا کرتے تھے۔

رؤف صاحب نے ابتدا سے ہی درس و تدریس کو اپنا مشغلہ بنایا۔ ۱۹۲۰ء میں اپنی مادر درس گاہ۔ امام المدارس میں استاد مقرر ہوئے اور ۱۹۵۹ء تک اسی سے وابستہ رہے۔ اس طویل دور میں انھوں نے صدہا شاگردوں کو زیور علم سے آراستہ کیا۔ وہ تعلیم کے ساتھ تربیت پر بہت زور دیتے تھے اور اپنے طلبہ کو حسن اخلاق کا اچھا نمونہ بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے کتنے ہی شاگرد ہندو پاک میں نامور اور صاحب حیثیت ہوئے۔

حضرت رؤف قدیم تہذیب و روایات اور مشرقی وراثت کے وارث و امین تھے۔ قد مختصر سا تھا اور جسم بھی کمزور لیکن خلوص و محبت، اخلاق و آداب، خدا پرستی اور حُب رسول سے سرشار تھے۔ روایت پسندی آپ کی طبیعت و مزاج میں رچی بسی تھی اور آپ کی شخصیت کا جزولاینفک بن گئی تھی۔ وہ روایت کی پابندی نہ صرف خصوصی معاملات میں کرتے تھے بلکہ نشست و برخاست، گفتگو و ملاقات اور روز مرہ کے مشاغل میں بھی ہمیشہ اپنی روایات کی پابندی کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ معمولات کے سختی سے پابند تھے اور مدت العمر ان پر عامل رہے۔

انتہا یہ کہ مسجد اور گھر دونوں میں ہی ان کے بیٹھنے کی جگہ مخصوص تھی اور وہ اہتمام کر کے وہیں بیٹھتے تھے۔

نعت خوانی میں پسندیدہ اشعار پر وہ آہ آہ اور سبحان اللہ باٰواز بلند کہتے تھے اور ہاتھ سے اپنی ہی ٹانگ پر ہلکے ہلکے ضرب لگاتے رہتے تھے۔ دراصل نعتیہ اشعار سن کر ان پر جذب واثر کی ایک خاص کیفیت طاری ہوتی تھی اور اسی عالم بےخودی میں وہ یہ عمل کرتے رہتے تھے۔

حضرت رؤف اپنے گزشتہ واقعات اور مرشد کے حالات وکرامات بار بار لطف لے لے کر سنایا کرتے تھے اور ہر بار ایک خاص کیف وسرور محسوس کرتے تھے۔ کیف وسرور کے اس عالم میں شاید انھیں یہ یاد نہیں رہتا تھا کہ میں اس شخص کو یہ واقعات بہت بار سنا چکا ہوں۔ اسی لئے تو کہا ہے۔

”کچھ ایسی ہے دلچسپ میری کہانی
سنے جایئے گا، سنے جایئے گا“

(گلرنگ تخیل، ص ۷۱)

فطری شاعر تلمیذ رحمٰن ہوتا ہے۔ شاعری کا جذبہ وملکہ فطری و پیدائشی ہوتا ہے۔ استاد اسے جلا دے سکتا ہے اس کے نوک پلک درست کر سکتا ہے لیکن شعر کہنا نہیں سکھا سکتا اسی لئے تو کہا گیا ہے ”الشعراء تلامیذ الرحمٰن“ شاعر تو اللہ ہی کے شاگرد ہوتے ہیں۔ اس سے مراد یہی ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے شاعری کا ملکہ عطا فرما دیتا ہے۔ رؤف صاحب بھی فطری و پیدائشی شاعر تھے۔ اسی لئے انھیں کسی استاد کی زیادہ ضرورت پیش نہیں آئی۔ چند غزلیں مولوی فضل ستار لاؔ ابالی اور جگر مرادآبادی کو دکھائی تھیں۔ ان میں بھی استاد وشاگرد کا معاملہ کم اور مشورۂ سخن ہی زیادہ کارفرما تھا۔

خود رؤف صاحب کے بقول ”انھوں نے (جگر مرادآبادی) شاعری کے سلسلہ میں کچھ ایسے نصائح فرمائے اور ایسی ہدایات دیں کہ مجھ کو شاعری کی دشواریاں آسان نظر آنے لگیں اور فرمایا کہ تمھیں کسی استاد کی ضرورت نہیں، تم پیدائشی شاعر ہو“

(”اپنی زباں سے میں“ ص ۱۲)

نام ونمود، شہرت ومقبولیت اور عزت و دولت کی خواہش عمومی ہیں۔ تقریباً ہر شخص ان کا متمنی ہوتا ہے لیکن کچھ بندگان خدا ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انھیں نام ونمود اور شہرت ومقبولیت سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ ان کے برعکس وہ گوشہ عزلت اور پردۂ خفا میں رہنا چاہتے ہیں۔ حضرت رؤف بھی نام ونمود سے دور، ہنگامہ بیزار اور گوشہ گیر قسم کے آدمی تھے۔ اس بیزاری کی وجہ فطری و طبعی بھی تھی اور مذہبی ومسلکی بھی وہ مذہب پسند اور صوفی منش تھے۔ قرآن کریم میں کہا گیا ہے۔ "وما الحیوٰۃ الدنیا اِلّامتاع الغرور" (دنیاوی زندگی محض دھوکہ وفریب ہے) اسی لئے صوفیاء کے یہاں اس سے اجتناب پایا جاتا ہے۔ اسی کے پیش نظر انھوں نے کہا ہے۔

"کیا آرزو ہے ہوش میں آؤ ذرا رؤف
نام و نمود زندگئی مستعار میں"

(گلرنگ تخیل، ص۹۲)

وہ اپنے ذوق کی تکمیل کے لئے، اپنے آقایان نعمت اور ممدوحان کرام کی مدح میں شعر کہتے تھے۔ بہت سا کلام یکجا ہونے پر اسے ایک مجموعہ کی شکل میں شائع کراتے تھے اور اہل ذوق کو عطا کرتے تھے۔ انھوں نے کبھی اخبارات ورسائل میں شائع کرانے کی کوشش نہیں کی اور کسی مدیر یا ناشر کے مرہون منت نہیں ہوئے۔

حضرت رؤف کے تین مجموعہ ہائے کلام "لخلخہ محامد"۔ "گلرنگ تخیل" اور "کوثر رحمت" کے نام سے شائع ہوئے۔ 'لخلخہ محامد، کی پہلی اشاعت ۱۳۵۸ھ، ۱۹۴۰ء میں ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۳۸۴ھ، ۱۹۶۴ء میں اور تیسرا ۱۴۰۱ھ، ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ ۲۰۷ صفحات پر مشتمل اس مجموعہ کے ابتدائی ۲۸ صفحات انتساب، عرض حال، مقدمات اور تاریخ طبع سے معمور ہیں۔ کلام کی ابتدا ۴۳ اشعار کی حمد سے ہوئی ہے۔ اس کے بعد ۶۷ نعتیں غزل کی ہیئت میں ہیں۔ ۲۹ مخمسات ہیں جو فارسی کے مشہور شعراء۔ جامیؔ، حافظؔ، قدسیؔ، شمس تبریزی، شاہ اشرف، شاہ ابوالمعالی، طاہرؔ، حسن دہلوی، مرزا قتیلؔ اور شاہ نیاز احمد بریلوی کے نمائندہ اور خوبصورت اشعار کی تضمین پر مشتمل ہیں۔ اردو شعراء میں مولانا حسن رضا خاں بریلوی، شوقؔ قدوائی لکھنوی اور خود اپنی ہی غزلوں کے اشعار کی تضمین کی گئی ہے۔

مخمسات کے بعد صحابہ کرام اور بزرگان دین کے مناقب بیان ہوئے ہیں۔ آخر میں ''خود سے خطاب'' کے عنوان سے پند و موعظت پر مشتمل ایک نظم ہے۔

دوسرا مجموعہ کلام ''گلرنگ تخیل'' ہے جو ۱۳۶۰ھ ۱۹۴۲ء میں عالم وجود میں آیا۔ دوسری بار ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۲ صفحات پر مشتمل اس مجموعہ کے ابتدائی ۵۱ صفحات انتساب و شکریہ، عرض حال، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کے تبصرے اور میر افق کاظمی کے طویل مضمون اور قطعہ تاریخ کی نذر ہوئے ہیں۔ آغاز کلام ۴۱ اشعار کی حمد سے ہوا ہے پھر دو نعتیں ہیں اور ان کے بعد ۱۰۵ غزلیں ہیں۔ غزلوں کے بعد مخمسات ہیں جن میں بو علی شاہ قلندر پانی پتی، امیر خسرو، مرزا قتیل، حضرت منیر، حافظ شیرازی، فخر الدین عراقی اور احمد جام صاحب کے خوبصورت و دل پزیر اشعار کی تضمین ہیں۔ ''الموعظۃ والنصیحۃ'' کے عنوان سے ایک نظم ہے۔ نظم کا موضوع عنوان سے ہی ظاہر ہے۔ بظاہر ''گلرنگ تخیل'' برنگ مجاز ہے مگر اس مجاز کے پردے میں بھی حضرت رؤف نے حقیقت کی ہی باتیں بیان کی ہیں۔ یہاں بھی ان کا محبوب مجازی نہیں حقیقی ہے۔

ان کا تیسرا مجموعہ کلام ''کوثر رحمت'' ہے جو پہلی بار ۱۳۷۶ھ، ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔ صفحات کی تعداد ۱۶۷ ہے۔ ان میں سے بیالیس ۴۲ صفحات پر عرض حال، تقریظ، پیش گفت اور میر افق کاظمی صاحب کے قطعات تاریخ ہیں۔ آغاز کلام ۲۶ اشعار کی حمد سے ہوا ہے۔ ۶۷ نعتوں سے اس گلدستہ کو سجایا گیا ہے۔ کچھ مناقب و مخمسات ہیں اور سترہ غزلیں ہیں ایک نظم ''رخصت ماہ صیام، کے عنوان سے ہے جس میں رمضان المبارک کی برکتوں کا بیان اور اس کے اختتام پر اظہار افسوس ہے۔

شعر و سخن کے ان مجموعوں کے علاوہ آپ نے اپنی سوانح حیات ''اپنی زباں سے میں'' کے عنوان سے لکھی۔ اس میں انھوں نے ان تمام واقعات اور حالات کو بالکل اسی سیدھے سادے انداز میں بیان کیا ہے جس طرح وہ انھیں سناتے تھے۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل یہ کتابچہ ان کے تمام حالات و واقعات کو جزئیات کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

تینوں مجموعوں اور اس سوانحی کتاب کو یکجا و مرتب کر کے حامد امروہوی نے ''سرمایۂ

رؤف امروہوی" کے نام سے ایک ضخیم جلد میں شائع کر دیا ہے۔

حضرت رؤف کے عقائد اور مسلک قدرے مختلف اور مخصوص تھا۔ یوں تو وہ سنی حنفی تھے اور بڑی حد تک ان عقائد اور مسلک کے پابند تھے جو اہل سنت یا بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والوں کے عقائد سمجھے جاتے ہیں لیکن عقائد کے معاملہ میں وہ کسی سختی یا تشدد کے روادار نہیں تھے بلکہ "صلح کل" کی پالیسی پر عامل تھے۔ وہ اپنے عقائد پر سختی سے پابند رہنے کے ساتھ دوسروں کے عقائد و مسلک کا احترام بھی ضروری خیال کرتے تھے۔ ان کے یہاں عشق رسول، محبت اہل بیت، احترام صحابہ کرام اور ولائے اولیا، عظام بڑے واضح انداز میں پائی جاتی ہے۔ اس کی شہادت ان کے کلام سے بھی ملتی ہے اور معمولات و طریق زندگی سے بھی۔ وہ روزانہ ایک پارہ معہ ترجمہ و تفسیر پڑھتے تھے۔ ترجمہ مولوی فتح محمد صاحب کا تھا۔ درود و سلام ان کی نوک زبان پر رہتے تھے۔ مختلف اوراد و وظائف اور دلائل الخیرات پابندی سے پڑھتے تھے۔ صرف جمعہ کی نماز محلہ ترپولیہ کی مسجد میں باجماعت ادا کرتے تھے۔ باقی اوقات کی نمازیں روزانہ اپنے گھر میں ہی ادا کرتے تھے۔ وہ مروجہ انداز کے صوفی تو نہ تھے مگر تصوف کی طرف مائل تھے اور فلسفۂ وحدت الوجود میں یقین رکھتے تھے۔ انھوں نے مروجہ انداز سے کسی خاص سلسلہ میں بیعت بھی نہیں کی تھی لیکن اپنے محلے کے ایک بزرگ حمایت اللہ صاحب سے زبردست عقیدت و ارادت رکھتے تھے اور انھیں اپنا مرشد سمجھتے تھے۔ وہ دوسروں کے لئے بھلے ہی عجیب و غریب آدمی ہوں اور اکثر لوگ انھیں ازرہ مذاق "قطب" کہتے ہوں مگر رؤف صاحب حقیقت میں انھیں "قطب وقت" مانتے تھے اور ان کے ظاہری حلیے و انداز کو ان کا اخفائے حال سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی شاعری، تمام کامیابیوں اور صحت کی بحالی کو انھیں کا تصرف اور توجہ باطنی کا نتیجہ قرار دیتے تھے۔ اسی یقین کے مطابق کہا ہے۔

"نہ بیاں ہے نہ ترا طرز بیاں ہے یہ رؤف
اور ہی بول رہا ہے کوئی افسانے میں"

(گلزار تجلی، ص ۱۰۸)

حضرت رؤف ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ تا نماز عصر اپنے یہاں جلسہ نعت خوانی کا انعقاد

کرتے تھے۔ انھوں نے یہ عمل ۱۹۲۳ء سے شروع کیا اور تادم زیست تقریباً ۶۴ سال تک کرتے رہے۔ اس دوران کبھی ناغہ نہیں ہوئی حالانکہ اتنے طویل عرصہ میں موسم کی سختیاں، صحت کی خرابیاں، اور کبھی کبھی شہر کے حالات سدراہ ہوئے پھر بھی انھوں نے اس جلسہ کو کبھی معطل نہیں کیا چاہے۔ گھر کے چند افراد کے ساتھ ہی اس فریضہ کو ادا کرنا پڑا ہو لیکن انھوں نے بہر حال ناغہ نہیں ہونے دیا۔ وہ دس محرم کو بیان شہادت امام حسین کے لئے جلسہ و مجلس اور ۱۲ ربیع الاول کو محفل میلاد کا بھی انعقاد کرتے تھے۔

ان کے وصال کو تقریباً ایک چوتھائی صدی ہو رہی ہے لیکن ان کے صاحبزادگان ان مجالس کو اسی طرح اب بھی منعقد کر رہے ہیں۔ یہ اپنے آپ میں ایک عجوبہ اور بجائے خود امتیاز ہے کہ تقریباً ۸۶ سال سے یہ محافل و مجالس بغیر کسی تعطل اور ناغہ کے ہو رہی ہیں یہ ان کے مقبول بارگاہ ہونے کی بھی دلیل ہے۔

حضرت رؤف کی نعتوں میں زیارت حرمین شریفین کی تڑپ اور لگن بڑے ہی والہانہ انداز میں پائی جاتی ہے۔ بالاخران کا جذبۂ دل کام کر گیا اور ۱۹۷۷ء میں انھیں تکمیل آرزو کا انوکھا موقع ملا۔ اس کا پورا واقعہ انھوں نے ''اپنی زباں سے میں'' میں تحریر کیا ہے۔

حضرت رؤف شروع سے ہی دائم المریض اور کمزور تھے۔ ضعیفی اور عمر کے تقاضے نے امراض میں اضافہ کر دیا تھا۔ آخری چار پانچ سال وہ تقریباً صاحب فراش رہے۔ اس پر بیٹی کے انتقال کا صدمہ بھی اٹھانا پڑا۔ بالآخر ۱۶ دسمبر ۱۹۸۶ء، ۱۳ ربیع الاخر ۱۴۰۷ھ بروز منگل وہ چند روزہ بخار کے زیر اثر اپنے خالق و مالک کے پاس جا پہنچے۔

امروہہ کی مشہور درگاہ 'شاہ ولایت' میں مسجد کے متصل آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ پختہ قبر معہ کتبہ کے دیکھی جا سکتی ہے لیکن اس کی اصل نشانی تو آپ نے بہت پہلے بتا دی تھی۔

یہیں سے نغمہائے نعت کی لہریں سی اٹھتی ہیں
رؤف زار کی تربت یہیں معلوم ہوتی ہے

('کوثر رحمت' ص ۴۷)

حضرت رؤف نے یکے بعد دیگر چار شادیاں کیں اور چاروں ہی نے آپ کو داغ مفارقت

دیا۔ آپ کی ایک بیوی کے بطن سے دو بیٹے احمد حسین و محمد حسین ہوئے۔ محمد حسین پاکستان چلے گئے تھے۔ وہیں ۱۹۵۰ء میں عالم جوانی میں ان کا انتقال ہوگیا۔ احمد حسین (ولادت ۱۹۳۱ء) ماشاء اللہ حیات ہیں۔ نعت و منقبت کے بہترین شاعر ہیں۔ سیفیؔ تخلص ہے۔ ان کے بیٹے زبیر ابن سیفیؔ بھی خوش گلو اور نعت گو ہیں بہت ہی اچھے انداز میں پڑھتے ہیں۔ سیفیؔ صاحب کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ''لہورنگ'' (مجموعہ غزلیات) اور ''نکہتیں'' (مجموعۂ نعت و مناقب)

چوتھی اور آخری زوجہ سے آپ کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں۔

ان میں سب سے بڑے مرزا حامد حسین حامدؔ امروہوی ہیں۔ دوسرے مرزا ساجد حسین ساجدؔ امروہوی (ولادت ۱۸ جنوری ۱۹۴۳ء) نعت و مناقب کے میدان میں انھوں نے بھی کمال حاصل کیا ہے۔ وہ بھی اپنے والد محترم کی طرح امام المدارس انٹر کالج میں رٹائرمنٹ تک بحیثیت استاد رہے۔ ان کے چار مجموعہ ہائے کلام۔ ''راز بخشش''، ''آرزوئے بخشش''، ''گہر بخشش'' اور ''دسترس'' شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں پہلے تین مجموعے نعت و مناقب کے اور آخری غزلیات کا ہے۔ تیسرے بیٹے مرزا محمد آصف حسین ہیں جو کاشی پور گورنمنٹ ڈگری کالج میں انگریزی کے پروفیسر ہیں وہ بھی نعت و مناقب خوبصورت آواز اور انداز میں پڑھتے ہیں۔

خود روفؔ صاحب تو تحت اللفظ پڑھتے تھے لیکن ان کے صاحبزادگان اور پوتے بھی خوش گلو، خوش آواز اور بہترین ترنم سے پڑھنے والے ہیں۔ ان حضرات کی موجودگی کسی بھی محفل کی کامیابی کی ضمانت بن جاتی ہے۔

خانوادۂ روفؔ کا ایک اور امتیاز یہ ہے کہ ان کے یہاں کی عورتوں مین بھی سخن فہمی اور سخن گوئی پائی جاتی ہے۔ حامد صاحب کی اہلیہ سردار خانم صاحبہ مخفیؔ تخلص کرتی ہیں ان کا مجموعہ کلام ''متاع مخفیؔ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

○■○

حامد امروہوی

مختصر تعارف:

مرزا حامد حسین حامد امروہوی حضرت رؤف کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ ان کی ولادت امروہہ میں ہی ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء کو ہوئی تھی۔ بعد ولادت کانوں میں اذان کے ساتھ ہی نغمۂ نعت بھی گونجے اس لئے شعور کی منزلیں طے کرتے ہوئے ان کا نعت گوئی کی طرف راغب ہونا فطری امر تھا۔ اوائل عمر میں والد محترم کے ساتھ پھر ان کی نیابت کے لئے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ خود بھی شعر کہنے لگے۔ آج وہ چار شعری مجموعوں کے مصنف اور دو کتابوں کے مرتب ہیں۔ شمالی امریکہ میں اردو کا علم بلند کئے ہوئے ہیں۔ شکاگو اور اس کے قرب وجوار میں شعری وادبی محفلوں کے روح رواں ہیں۔

حامد امروہوی نے زانوئے تلمذ اپنے والد محترم کے علاوہ حضرت کوثر القادری کے سامنے بھی طے کیا۔ اپنے برادر بزرگ مرزا احمد حسین صاحب سیفی، مفتی نسیم احمد صاحب فریدی، مولانا سلطان احمد صاحب شہباز امروہوی اور حکیم کلب علی صاحب شاہد امروہوی سے بھی انھوں نے اکتساب فیض کیا۔

بیماری اور بعض دوسری وجوہات کی بنا پر وہ اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ ہائی اسکول کے بعد انھوں نے ۱۹۵۳ء میں یو پی کے شوگر کین ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت اختیار کرلی۔ دفتری امور ومعاملات شعری وادبی فضا کے لئے بہت مضر ثابت ہوتے ہیں لیکن حامد امروہوی نے اپنے ذوق شعری کو جاری رکھا، البتہ کلام کو محفوظ نہیں رکھ سکے۔ دفتری مصروفیات اور تبادلوں نے کلام کو ضائع کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ اس شعبہ کی ملازمت میں تقریباً سولہ سال تک

رہے۔ ۱۹۶۹ء میں انھیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے غیر تدریسی عملے میں کام کرنے کا موقع ملا۔ یہاں بھی دفتری امور و معاملات تھے لیکن یہاں کے حالات اور فضا شعری و ادبی ذوق کو جلا دینے والی اور اس کی ترقی میں ممد و مددگار تھی۔ اس ملازمت میں وہ ۱۹۹۶ء تک رہے ۱۹۹۱ء میں امریکہ گئے جہاں ایک نئی صبح اور نیا سویرا ان کا منتظر تھا۔ ۱۹۹۶ء میں وہ یونیورسٹی کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر پوری طرح سے امریکی ہو گئے۔ وہاں انھوں نے کچھ عرصہ ملازمت کی لیکن بیٹوں کے برسرکار ہو جانے کے بعد وہ اب وہاں فارغ البالی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

چونکہ شکاگو اور اس کے قرب و جوار میں ہندستانیوں، پاکستانیوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے اس لئے وہاں برصغیر کا ماحول اور شعری و ادبی فضا قائم ہو گئی ہے۔ دھوم دھام سے ادبی محفلیں اور مشاعرے منعقد ہوتے ہیں جن میں حامد امروہوی سرگرم و فعال کردار ادا کرتے ہیں۔ انھیں نعت و مناقب کی محفلوں سے خاص دلچسپی ہے وہ ان میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔ ان کے انعقاد کی کوشش کرتے ہیں اور انھیں کامیاب بنانے کے ہر ممکن جتن کرتے ہیں۔ ان کے مکان کا نام ''نعت کدہ'' ہے جو نعت و مناقب سے ان کی دلچسپی اور ذوق کا مظہر ہے جہاں نعت و مناقب کی محفلیں آراستہ ہوتی ہیں۔

ان کی عائلی زندگی کا آغاز ۱۹۵۸ء میں ہوا جب ان کی شادی سردار خانم یوسف زئی بنت سردار احمد خاں صاحب یوسف زئی کے ساتھ ہوئی۔ سردار احمد خاں صاحب امروہہ کے معزز تعلیم یافتہ، شریف و متین اور مذہبی انسان تھے۔ وہ امروہہ میونسپل بورڈ میں عرصہ تک ایگزیکیٹو آفیسر رہے، پنجاب وقف بورڈ کے سکریٹری بھی رہے۔ انھوں نے ۱۹۲۱ء میں اس وقت بی۔اے پاس کیا تھا جب امروہہ میں بی۔اے پاس لوگوں کی تعداد شاید انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔ انھوں نے ایک بار بتایا تھا کہ اس دور میں بی۔اے کا امتحان دینے کے لئے الہ آباد جانا پڑتا تھا۔ ایک بڑے ہال میں امتحان ہوتا تھا اور یونیورسٹی کا انگریز رجسٹرار دوران امتحان ہال میں بنی ہوئی اوپری گیلری میں ٹہلتا رہتا تھا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ گردن کو ذرا بھی ادھر ادھر کر لے صرف اپنے پرچے اور کاپی پر نگاہیں جمائے رکھنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے

ایم.اے (تاریخ) اور وکالت (ایل.ایل.بی) کے امتحانات بھی پاس کئے تھے۔ انھوں نے علی گڑھ میں تاریخ کے ایک موضوع پر ریسرچ کا کام بھی شروع کیا تھا مگر اس کی تکمیل نہ ہو سکی تھی۔

بہر حال حامد صاحب کے اپنے گھر کا ماحول اور حسن اتفاق سے سسرال کا ماحول بھی علمی و ادبی تھا۔ ان کی اہلیہ محترمہ نے گھر میں رہ کر ہی تعلیم حاصل کی تھی جامعہ اردو کے امتحانات پاس کئے۔ ذوق مطالعہ نے انھیں علم سے بہرہ ور کیا اور وہ بھی شاعری کرنے لگیں۔ ان کا تخلص مخفی ہے۔ انھوں نے نسوانی جذبات و احساسات کو شعری پیکر میں پیش کیا ہے۔

ان کے دو بیٹے محمد عامر مرزا اور محمد بابر مرزا کے علاوہ تین بیٹیاں ڈاکٹر زیبا جلیل، ضیاء روف اور زہرا قادری ہیں۔ سبھی اعلیٰ تعلیم سے مزین اور برسر کار ہیں، صاحب حیثیت و ذی عزت، ہیں، شادی شدہ و صاحب اولاد ہیں۔

محمد عامر مرزا تجارتی سرگرمیوں میں مصروف ہیں جبکہ محمد بابر مرزا اعلیٰ درجہ کی ملازمت سے منسلک ہیں۔ ڈاکٹر زیبا جلیل اور ان کے شوہر ڈاکٹر جلیل احمد خاں علی گڑھ سے بی.یو.ایم.ایس کرنے کے بعد حکومت یوپی کے محکمہ صحت میں بحیثیت ڈاکٹر منسلک رہے ہیں۔ بدقسمتی سے بتاریخ ۲۸ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو ڈاکٹر جلیل احمد خاں کا ایک سڑک حادثہ میں اچانک انتقال ہو گیا جبکہ وہ خود حامد صاحب کو خوش آمدید کہنے کے لئے دہلی ایرپورٹ کی طرف جا رہے تھے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

حامد صاحب نعت گو اور مذہبی انسان ہونے کے ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت بھی ہیں۔ ان کے مرشد محترم الحاج حضرت سید شاہ قربان حسن قادری جہانگیری ابوالعلائی قدس سرہ، تھے۔ حامد صاحب ان کے بڑے عقیدت مند اور مداح ہیں۔ ان کی منقبت بھی لکھی ہے۔ اس شعر سے بھی ان کی عقیدت وارادت کا پتہ چلتا ہے۔

بھیک ملتی ہے جو حامد در قرباں سے مجھے
اس سے میرا، مرے گھر بھر کا بھلا ہوتا ہے

(مدحت کے پھول، ص ۲۰۸)

ان کے مرکزِ عقیدت وارادت خود ان کے والدِ محترم حضرت رؤفؔ امروہوی اور حضرت ملا رضا حسین صاحب بھی تھے۔

اپنے والدِ محترم کی طرح ان کی شاعری میں بھی حج بیت اللہ، زیارت حرمین شریفین اور خصوصاً روضہ مقدسہ پر حاضر ہوکر صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کی تڑپ متعدد اشعار میں پائی جاتی ہے، اس کے لئے دعائیں ہیں، التجائیں ہیں، سوز وتڑپ کا اظہار ہے، کبھی غیر حاضری پر مایوسی ہے تو کبھی پُر امیدی۔ اسی امید وبیم کے درمیان بالآخر مارچ ۱۹۹۹ء میں وہ ساعت سعید آہی گئی جب وہ زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ اس کے علاوہ انھیں ۳ بار عمرے کی سعادت بھی حاصل ہوئی ہے۔

انھیں دیارِ غیر۔ امریکہ اور اس کے شہر شکاگو میں رہتے ہوئے بھی علمی و ادبی اور شعر وشاعری کا ماحول ملا اور وہ ایک علمی وشعری حلقے کے فعال رکن بن گئے۔ انھوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر نعت ومناقب کی محفلوں کا انعقاد کیا اور اپنے شاندار مجموعہ ہائے کلام شائع کئے۔ امریکہ میں نعتیہ شاعری اور نعتیہ مشاعروں کے متعلق ان کے اپنے تأثرات یہ ہیں:

> ’’بحمد للہ امریکہ میں نعتیہ شاعری بہت ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر میں نعتیہ مشاعرے منعقد ہوتے ہیں اور نعتیہ مجموعے منظرِ عام پر بھی آرہے ہیں۔ ان کے ساتھ ’نیویارک‘ اور ’ڈیلس‘ میں انٹرنیشنل سالانہ نعتیہ مشاعرے بھی ہوتے ہیں۔ ان مشاعروں کا اہتمام نیویارک میں جناب صلاح الدین ناصر صاحب اور ڈیلس میں برادرم نور امروہوی کرتے ہیں۔ دونوں ہی مشاعرے بہت کامیاب ہوتے ہیں۔‘‘
>
> (وسیلۂ بخشش، ص ۵۵)

وہاں ان کا حلقہ احباب، حلقہ شعراء اور شعر پسند حضرات بڑی تعداد میں موجود ہیں یا رہے ہیں۔ ان میں سے درج ذیل نام وہ ہیں جن کا ان کے شعری مجموعوں میں ذکر آیا ہے۔ یہ نام یہاں اسی لئے درج کئے جارہے ہیں کہ اس سے دیارِ غیر میں اردو کی محفل اور نعت ومناقب کے مشاعرے آراستہ کرنے والوں کے نام سے اس کتاب کے قارئین بھی واقف ہوجائیں۔

خواجہ ریاض الدین عطشؔ، سید محمد حنیف اخگرؔ ملیح آبادی، قاضی افضل بیابانی، مرزا

حسیب بیگ، اعجاز ھاشمی، سید شمیم رجزؔ، قمر علی عباسی، نور امروہوی، ڈاکٹر سید محمد تقی عابدی۔ صلاح الدین ناصرؔ، نیازؔ گلبرگوی، پروفیسر دلنواز صدیقی، ڈاکٹر مظفر الدین فاروقی، عبدالرحمٰن صدیقی مدیر 'پاکستان لنک' رضیہ فصیح احمد، سلطانہ مہر، نسیم کلثوم وغیرہم۔

حامد صاحب کو امریکن اردو رائٹرس سوسائٹی کی جانب سے لٹریری اچیومنٹ ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔ اس موقع کو بھی انھوں نے اللہ کا کرم خاص، نعت گوئی کا صلہ وممدوح سے محبت سمجھا اور اس کا اظہار اس طرح کیا۔

"حامدؔ پہ یہ انعام و کرم کی بارش
اللہ کی مخصوص عنایت کہئے
مداح کا عزت سے نوازا جانا
ممدوح سے اظہار محبت کہئے"

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۶۵)

ماشاء اللہ حامدؔ صاحب اب تک چوہتّر (۷۴) بہاریں دیکھ چکے ہیں۔ خدا کرے وہ طویل عرصہ تک صحت مند اور خوش وخرم رہیں۔ حمد ونعت ومناقب کہتے اور سنتے رہیں، ان کی محافل ومجالس منعقد کرتے اور ان میں شرکت فرماتے رہیں، اسی طرح اپنے ذوق اور سامعین و قارئین کے فردوس گوش کا سامان مہیا کرتے رہیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین و امام المتقین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

بہر حال وقت موعود سے ہر ذی روح کو گزرنا ہے اور اس کے لئے زاد سفر بھی درکار ہے تقویٰ و پرہیزگاری عبادت وریاضت، حمد ونعت اس سفر کے لئے بہترین زاد سفر، اللہ ورسول ﷺ کی خوشنودی کا ذریعہ اور دارالنعیم میں پہنچانے کا وسیلہ ہیں۔ حامدؔ صاحب کو اطمینان ہے کہ انھوں نے زاد سفر جمع کرلیا ہے۔

حمد حق اور نعت سرکار دوعالم لب پہ ہے
کیوں کروں فکر سفر، زاد سفر ہوتے ہوئے

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۰۱)

آنکھ میں اشک ندامت لب پہ نعت مصطفیٰ
پاس میرے اپنی بخشش کا یہی سامان ہے

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۲۹)

وہ اس وقت کے لئے صمیم قلب سے دعا کرتے ہیں۔

حامدؔ کا جب وقت نزع ہو
واسطہ تجھ کو یارب ان کا
اس کے دل میں یاد ہو تیری
اسم گرامی بر لب ان کا

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۳۰)

وہ مطمئن ہیں کہ ان کے لب پر اسم گرامی اور ان کی مدح وتوصیف رہتی ہے اور یہی زادسفر منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے کافی ہے۔

اسم سرکار ہے کافی حامدؔ
اور کیا زاد سفر لینا ہے

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۳۰)

○■○

حاؔمد امروہوی کا خودنوشت منظوم تعارف

خودستائی کو معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن شعراء کے لئے شاعرانہ تعلّی کو جائز وروا رکھا گیا ہے۔ حاؔمد امروہوی نے شاعرانہ تعلّی تو کم کی ہے لیکن اپنا منظّم اور منظوم تعارف بہت سے اشعار میں کرایا ہے۔ ان اشعار سے دلی خیالات واحساسات، ذوق وشوق اور عقیدے ومسلک کا پتہ چلتا ہے۔ اس لئے ان کے یکجا ہونے سے ان کی شخصیت، کردار، خواہشات اور اعتقادات پر روشنی پڑسکتی ہے۔ اسی کے پیش نظر ان تمام اشعار کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ان کی ایک نظم 'تعارف' کے عنوان سے ہے۔ یہ ''جو یبارِ بخشش'' میں بھی شامل ہے اور ''وسیلۂ بخشش'' میں بھی۔ چودہ اشعار پر مشتمل اس تعارف میں انھوں نے اپنے نام، وطن، خاندانی روایات، نعت گوئی کا پس منظر اور اس ذوق وشوق کی وجوہات پر سادہ مگر خوبصورت و دلآویز انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

مختصر سی مری پہچان ہے یہ — نام حامد ہے، وطن امروہہ
میرے والد بھی تھے مداح نبی — نعت گوئی میں ہے جن کا شہرہ
ناز کیسے نہ ہو اپنے گھر پر — کاش ہر گھر ہو میرے گھر جیسا
محفل نعت سجا کرتی ہے — خالی جاتا نہیں کوئی ہفتہ
اک زمانے سے یہی ہے دستور — اس میں آیا نہیں کوئی وقفہ
نعت خوانوں کی تھا صف میں شامل — ہوش میں آکے جو خود کو دیکھا
نعت خوانی کی اسی محفل سے — نعت گوئی کا یہ اعزاز ملا
نعت میں ان کی لکھا کرتا ہوں — جو وسیلہ ہیں میری بخشش کا

ذکر سرکار ہے عادت میری　　مدح سرکار ہے میرا شیوہ
نعرۂ صل علیٰ گونج اٹھا　　نام کیا ان کا زباں پر آیا
ان کا ثانی کہاں پائے گا کوئی　　کوئی آیا نہیں ان جیسا
پرتو گیسوئے سرکار ہے، رات　　دن اجالا ہے رخ انور کا
میری قسمت بھی چمک اٹھی تھی　　میں بھی اک بار گیا تھا طیبہ
وہ چمک آج تک باقی ہے　　ہے تصور میں وہاں کا نقشہ

اس طویل تعارف کے علاوہ بھی انھوں نے متعدد اشعار میں اپنا تعارف پیش کیا ہے۔ مثلاً

اللہ کا احسان کہ انسان بنایا　　اور اس پہ کرم یہ کہ مسلمان بنایا
محبوب کی مدحت کا شرف بخش کے رب نے　　مداح کیا، صاحب دیوان بنایا

('مدحت کے پھول'، ص ۴۳)

مندرجہ بالا دونوں اشعار میں اللہ کے جود و کرم پر اظہار تشکر بھی ہے اور اپنا تعارف بھی

حمد الٰہی کرتے ہوئے بھی اپنا تعارف اس طرح پیش کرتے ہیں۔

عبد ہوں تیرا، میں کرتا ہوں عبادت تیری
نام حامدؔ ہے، کیا کرتا ہوں مدحت تیری

(خیابان ارم، ص ۲۳)

حمد کرتا ہے عبد ہے حامدؔ
اور ممدوح دو جہاں تو ہے

(وسیلۂ بخشش، ص ۶۲)

انھیں اپنے خانوادے کے نعت گو ہونے پر فخر ہے۔ ان کے والد محترم مشہور نعت گو تھے۔ انھیں کی نسبت سے اپنا تعارف اس طرح کراتے ہیں۔

والد نعت لکھا کرتے تھے، میں بھی ہوں مداح نبی
حامدؔ میرے گھر میں اجالا، کل بھی تھا اور آج بھی ہے

(خیابان ارم، ص ۱۰۴)

وراثت میں ملی ہے نعت گوئی
مجھے حامدؔ رؤف امروہوی سے

(وسیلۂ بخشش، ص ۴۷)

وہ اپنی پہچان اور تعارف 'مداح شہ دین' کی حیثیت سے کرانا چاہتے ہیں، اسی لئے کہتے ہیں۔

مداح شہ دین ہوں، مرا نام ہے حامدؔ
محشر میں مجھے اپنی شفاعت کا یقیں ہے

(مدحت کے پھول، ص ۱۷۴)

حامدؔ کو ''غلام شہ دیں'' ہونے پر فخر و ناز ہے اور اسی کے صلے میں انھیں نہ صرف محشر میں اپنی شفاعت کا یقیں ہے بلکہ وہ جنت کو ہی اپنی جاگیر قرار دیتے ہیں اور اسے اپنی خوبی تقدیر سمجھتے ہیں۔

ہر وقت زباں پر جو ثنائے شہ دیں ہے
واللہ کہ یہ خوبیٔ تقدیر ہے میری
یہ فخر ہے حامدؔ میں غلام شہ دیں ہوں
جنت جسے کہتے ہیں وہ جاگیر ہے میری

(مدحت کے پھول، ص ۴۸)

حامدؔ ''یک در گیر و محکم گیر'' کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے کسی غیر کے در پر جانے کے روادار نہیں ہیں۔ وہ صرف قاسم دو جہاں کے سامنے دست سوال دراز کرنا چاہتے ہیں اور انھیں سے مانگنا اور لینا چاہتے ہیں۔

یہ کسی در پہ نہ جائے گا ترے در کی قسم
تیرا مداح یہ حامدؔ تو ہے منگتا تیرا

(مدحت کے پھول، ص ۵۸)

حامدؔ اپنے دل میں ''عشق شہ دیں'' رکھتے ہیں اسی لئے پُر امید ہیں کہ اسی کی بدولت

ان کی قبر منور ہوگی۔

میں دل میں عشق شہ دیں کا داغ رکھتا ہوں
مری لحد میں بھلا کیوں نہ روشنی ہوگی

(مدحت کے پھول، ص ٦٧)

حامد کو یقین ہے کہ عشق شہ دیں کی بدولت نہ صرف قبر منور ہوگی بلکہ کل جب بروز حشران کے مدح خوانوں کو انعام واکرام سے نوازا جائے گا تو حامد بھی مدح خوانی کے صلے میں ضرور بادۂ کوثر کے جام سے شاد کام کئے جائیں گے اور اس روز یقیناً یہی سب سے بڑا صلہ اور انعام ہوگا۔

ملا جب حشر میں انعام ان کے مدح خوانوں کو
مرے حصے میں حامد بادۂ کوثر کا جام آیا

(مدحت کے پھول، ص ٧٠)

کوثر کے جام پائے جو حامد نے حشر میں
یہ مدحت نبی کا نتیجا کہا گیا

(خیابان ارم، ص ٣٨)

حامد بہ فیض مدح سرائی مصطفیٰ
کوثر پہ جام پینے کے حقدار ہوگئے

(مدحت کے پھول، ص ١٣٨)

لیکن وہ اپنی نعت گوئی و مدح سرائی اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے انعام و اکرام کو اپنے کمال فن کی بدولت نہیں بلکہ انھیں کے کرم خاص کا ثمرہ سمجھتے ہیں۔ اسی لئے اس کرم خاص پر نہ صرف خوش ہیں بلکہ شکر گزار بھی۔

ہے جو مداح آپ کا حامد
یہ عنایت بھی آپ ہی نے کی

(خیابان ارم، ص ٥٤)

یہ انھیں کا کرم ہے اے حامدؔ
نعت ان کی جو لب پہ آئی ہے

(مدحت کے پھول، ص ۷۵)

حامدؔ کہاں میں اور یہ نعت نبی کہاں
ان کا کرم ہوا تو یہ اشعار ہوگئے

(مدحت کے پھول، ص ۱۳۸)

وہ نعت نگاری کو ہی اپنا ہنر اور کمال فن مانتے ہیں اور کسی دوسرے ہنر کے دعوے دار نہیں ہیں، اسی لئے کہتے ہیں۔

حامدؔ ہے صرف نعت نگاری ہی میرا کام
اس کے سوا مجھے ہنر آتا نہیں کوئی

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۲۸)

ان کے الطاف کی حامدؔ کوئی حد ہی نہ رہی
جب سے مجھ میں صفت نعت نگاری آئی

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۳۳)

اور اس ہنر کو بھی وہ انھیں کے کرم خاص کا نتیجہ مانتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا اشعار سے ظاہر ہے۔

انھیں غلامئ مصطفیٰ پر اس قدر فخر و ناز ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی شناخت اور پہچان غلام مصطفیٰ کی حیثیت سے ہی کی جائے۔

جو بھی دیکھے کہہ اٹھے یہ ہے غلام مصطفیٰ
دو جہاں میں مجھ کو حامدؔ ایسی شہرت چاہئے

(مدحت کے پھول، ص ۱۱۸)

تو چاہے کچھ بھی ہو حامدؔ مگر یہ یاد رہے
غلام ساقی کوثر نہیں تو کچھ بھی نہیں

(مدحت کے پھول، ص ۹۵)

غلامی سرنگوں کرتی ہے، حقیر وذلیل بناتی ہے مگر غلامیٔ مصطفیٰ ﷺ وہ عجب غلامی ہے جس کی شاہوں نے بھی آرزو کی ہے اور خود کو فخر سے غلام مصطفیٰ اور خادم مصطفیٰ قرار دیا ہے۔ حامدؔ بھی نسبت غلامی کو حقیقی سرفرازی مانتے ہیں، ان کی غلامی پر اصرار کرتے ہیں اور خود کو سرفراز سمجھتے ہیں۔

ان سے نسبت ہے غلامی کی تو میں ہوں سرفراز
ورنہ میں کیا اور حامدؔ کیا مری اوقات ہے

(خیابان ارم، ص ۷۰)

حُب نبی کا تقاضہ ہے کہ ان کی آل و اصحاب سے بھی محبت کی جائے، ان کی بھی مدح و ثنا کی جائے اور ان کی غلامی پر بھی فخر کیا جائے۔ حامدؔ نے اس تقاضے کو احسن طریقے سے پورا کیا ہے۔ انھوں نے صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کی نہ صرف بھرپور مدح وثنا کی ہے بلکہ ان کی آقائی کو بھی واشگاف انداز میں قبول کیا ہے۔

مداح اہلبیت ہوں، حامدؔ ہے میرا نام
اللہ میرا حشر ہو آل نبی کے ساتھ

(مدحت کے پھول، ص ۱۴۶)

نعت نبی لکھتا ہوں حامدؔ
حُب علی کے جام کو پی کے

(مدحت کے پھول، ص ۱۴۶)

میں ہوں اے حامدؔ غلام ابن غلام اہل بیت
ناز کرتا ہوں مری تقدیر کیا تقدیر ہے

(خیابان ارم، ص ۱۲۹)

حامدؔ ہوں زیر سایۂ دامان اہل بیت
کیا فکر مجھ کو گردش لیل و نہار کی

(مدحت کے پھول، ص ۱۳۵)

وہ اپنے کلام کی شہرت ومقبولیت کو مدح گوئی کا صلہ وانعام سمجھتے ہیں اور اسی کے وسیلہ

وذریعہ سے شہرت ومقبولیت اور قدر ومنزلت چاہتے ہیں۔ اس خیال کا اظہار انھوں نے متعدد اشعار میں کیا ہے۔

مدح گوئی کا ہے صلہ حآمد
یہ جو شہرت ترے کلام کی ہے

(خیابان ارم، ص ۴۸)

نعت ہے جن کی یہ ان کا فیض ہے
شعر کی حآمد کے شہرت ہوگئی

(خیابان ارم، ص ۸۴)

قدر حآمد کی شعر کے فن میں
نعت محبوب کبریا سے ہے

(وسیلۂ بخشش، ص ۷۶)

چاہے کچھ بھی ہو حقیقت میں نہیں کچھ حآمد
آپ کے نام کی نسبت سے جو مشہور نہیں

(جو یبار بخشش، ص ۶۰)

کہتے ہیں کہ اگر قلم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور تعریف وتوصیف میں مشغول رہتا ہے تو یہ نہ صرف خوش قسمتی کی دلیل ہے بلکہ اسی کے طفیل عزت، دولت، شہرت، مقبولیت و مغفرت سبھی کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔

مدح سرکار دوعالم میں قلم مصروف ہے
اب تو اے حآمد سنور جائے گی قسمت آپ کی

(خیابان ارم، ص ۵۱)

ان کا مداح بن گیا حآمد
خوبیٔ بخت رنگ لائی ہے

(خیابان ارم، ص ۱۱۴)

حامدؔ بجا جو تم کو مقدر پہ ناز ہے
لکھتے ہو نعت پاک بڑے خوش نصیب ہو

(وسیلۂ بخشش، ص۸۴)

حامدؔ کو یقین ہے کہ جو نبی ﷺ کے دردِ محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے، وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر و بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ پھر اسے غم روزگار غم زدہ نہیں کر سکتا۔ چونکہ انھیں اپنے حُب نبی پر یقین کامل ہے اس لئے وہ خود کو غم روزگار سے رہا پاتے ہیں۔

رہا ہوا ہوں غم روز گار سے حامدؔ
نبی کے درد محبت میں مبتلا ہو کر

(مدحت کے پھول، ص۷۸)

میں نے محشر میں شفاعت کے لئے اے حامدؔ
الفت آل نبی دل میں بسا رکھی ہے

(مدحت کے پھول، ص۱۹۷)

ہم غلامان حسین ابن علی ہیں حامدؔ
ہم کو آتا نہیں مشکل میں پریشاں ہونا

(خیابان ارم، ص۱۵۹)

انھوں نے صحابہ کرام اور خصوصاً خلفائے اربعہ کی منقبت نعت میں بھی کی ہے اور ان کے مستقل مناقب بھی بیان کئے ہیں۔ وہ حمد، نعت و منقبت کے ہی شاعر ہیں اسی لئے اپنا یہ عقیدہ اور مسلک بتاتے ہیں۔

میرا مسلک تو حقیقت میں یہی ہے حامدؔ
پہلے حق، پھر شہ دین اور پھر ان چار کی بات

(مدحت کے پھول، ص۱۷۶)

حامدؔ پہ کرم دیکھئے یاران نبی کا
احسان وہ لیتا نہیں سر اپنے کسی کا

میں اس کی قناعت کا سبب تم کو بتاؤں
وہ نام لیا کرتا ہے عثمان غنیؓ کا

(مدحت کے پھول، ص ۱۷۸)

حامدؔ صاحب قادری سلسلہ میں بیعت ہیں اس لئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی۔ ''غوث اعظم'' سے ان کی محبت وارادت فطری ہے۔ انھیں اپنی قادری نسبت پر فخر ہے اور وہ حضرت غوث پاک کی پناہ اور سلسلہ میں خود کو محفوظ پاتے ہیں۔

قادری نسبت پہ اپنی فخر ہے حامدؔ مجھے
ناز کرتا ہوں کہ ہوں زیر پناہ غوث پاک

(مدحت کے پھول، ص ۱۹۹)

قادری ہوں، قادری نسبت پہ اپنی ناز ہے
اور اسی نسبت سے حامدؔ مجھ کو شہرت چاہئے

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۴۶)

شاہ جیلانی سے نسبت ہو تو پھر کیا چاہئے
ہے خدا اس کا کہ ہے جس پر نگاہ غوث پاک

(مدحت کے پھول، ص ۱۹۸)

مجھ کو شاہ جیلاں سے نسبت غلامی ہے
ان کا نام لیوا ہوں جن پہ مہرباں وہ ہیں

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۱۰)

حامد غلام سرور کون و مکاں ہوں میں
ان کا کرم کہ مجھ کو غم دو جہاں نہیں

(مدحت کے پھول، ص ۱۴۳)

حامدؔ نے ضرورت، مصلحت یا فرمائش پر کچھ دوسری اصناف سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہے اور نظمیں لکھی ہیں لیکن ان کی اصل دلچسپی اور میدان تو نعت گوئی ہے۔ اسی میدان میں ان کا

اشہب قلم تیز دوڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے دوسری اصناف سخن اور دیگر اقسام کی نظموں میں بھی نعت کا پہلو نکال لیا ہے لیکن وہ اسے اپنا کمال فن نہیں سمجھتے بلکہ خدائے کریم کا کرم اور اس کی توفیق قرار دیتے ہیں۔

حامدؔ پہ یہ کرم ہے خدائے کریم کا
کرتا ہے تہنیت میں بھی مدحت رسول کی

(خیابان ارم، ص ۱۳۷)

دراصل نعت گوئی توفیق الٰہی کی مرہون منت تو ہوتی ہی ہے لیکن حقیقی نعت گو وہی ہو سکتا ہے جس کے قلب ونظر عشق مصطفیٰ ﷺ سے لبریز ہوں اور جس کا جذب بے پایاں اور سوز دروں نعت گوئی پر اکساتا ہو۔ حامدؔ ان ہی کیفیات کے حامل ہیں اسی لئے وہ سخنوری کے دعوے دار نہیں لیکن نعت گوئی پر فخر ومباحات کرتے ہیں۔

نعت لکھی رسول کی سوز دروں کے فیض سے
حامدؔ بے زباں کہاں مدعیٔ سخن وری

(مدحت کے پھول، ص ۱۵۵)

کہتے ہیں کہ نام کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ یہ حسن اتفاق ہی ہے کہ حامد اور مداح کے حروف یکساں ہیں صرف ترتیب میں فرق ہے اس لئے حامد کا مداح ہونا ناگزیر ہے اسی کے پیش نظر حامدؔ کہتے ہیں۔

جو نام اپنا حامدؔ الٹ کر لکھا
تو مداح خیر الوریٰ ہو گیا

(خیابان ارم، ص ۱۵۵)

جو مداح خیر الوری ہو جاتا ہے وہ اللہ کا ہمنوا ہو جاتا ہے کیونکہ مدح خیر البشر وہ قدر مشترک ہے جو عبد اور معبود میں مشترک ہے۔ اب اگر خوبیٔ قسمت سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے عمل کو دوہرانے لگے تو اس سے بڑا کام اور اس سے بہتر شخص کون ہوگا؟

جناب حامدؔ امروہوی نے اسی وصف خاص کو اختیار کیا ہے۔

جو مداح خیرالوریٰ ہو گیا
وہ اللہ کا ہمنوا ہو گیا

(خیابان ارم، ص ۱۵۴)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے اوامر ونواہی بیان فرمائے ہیں اور اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ سچ بولیں، دوسروں کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی کریں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ وصدقات ادا کریں اللہ کی راہ میں جہاد کریں وغیرہم۔ مگر کہیں یہ نہیں کہا کہ اللہ اور اس کے فرشتے بھی ایسا کرتے ہیں لہٰذا تم بھی ایسا کرو۔

لیکن اپنے محبوب پر درود وسلام بھیجنے کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

'ان اللہ وملٰئکة یصلون علی النبی. یا ایھاالذین آمنوا صلوا علیه وسلموا التسلیماo (سورہ الاحزاب، آیت ۵۶، پارہ ۲۲)

''اللہ اوراس کے فرشتے نبی پر درور بھیجتے ہیں۔اے ایمان لانے والو! تم بھی ان پر خوب درود وسلام بھیجو۔''

اسی کے پیش نظر حامدؔ کہتے ہیں

''جو خدا کا ہے کام کیجیے گا
پیش ان کو سلام کیجئے گا''

(وسیلۂ بخشش، ص ۶۹)

''بھیج کر ان پہ درود اور سلام
اپنے خالق کا کہا کیوں نہ کریں''

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۱۳)

حامدؔ امروہوی کی قلمی کاوشیں

چونکہ حامدؔ امروہوی کا تعلق علمی و ادبی خانوادے سے ہے۔ انھوں نے علمی و شعری ماحول میں آنکھ کھولی ہے۔ بچپن سے ہی نغمہائے نعت ان کے کانوں میں پڑے اس لئے سخن فہمی اور سخن گوئی ان کی عادت بن گئی۔ اوائل عمر میں ہی انھوں نے شعر گوئی کا آغاز کر دیا تھا۔ وہ خود اپنے کلام کے ساتھ اور والد محترم کی نیابت کے لئے بھی مشاعروں میں شریک ہوتے تھے لیکن جلد ہی وہ ایسی ملازمت سے وابستہ ہو گیئے جو علمی و شعری ماحول کے برعکس تھی۔ نتیجتاً وہ شعروشاعری سے ایک عرصہ تک تقریباً دور رہے۔ امریکہ میں مقیم ہونے کے بعد جب انھیں فرصت و فراغت کے لمحات میسر ہوئے تو ان کا دبا ہوا شعری ذوق عود کر آیا اور وہ دوبارا شاعری کی طرف راغب ہو گئے۔ انھوں نے نہ صرف کلام تازہ کے انبار لگا دیئے بلکہ پرانے سرمایہ کو بھی نکال کر یکجا کیا اور اب تک چار مجموہائے کلام شائع کر دیئے۔

یہی نہیں انھوں نے اپنی بیگم کے کلام کو یکجا کر کے اسے ''متاعِ مخفی'' کے نام سے مرتب کیا اور اشاعت کی منزل تک پہنچایا۔ انھوں نے اپنے والد محترم حضرت رؤفؔ امروہوی کے تینوں مجموعہ ہائے کلام۔ 'بخلخہ محامد'، 'گلرنگ تخیل' اور 'کوثر رحمت' کے علاوہ ان کی خودنوشت سوانح 'اپنی زباں سے میں' کو ایک ہی ضخیم جلد میں مرتب کر کے 'سرمایہ رؤفؔ امروہوی' کے نام سے شائع کیا ہے۔

اس طرح ان کی قلمی کاوشیں ایک بڑے سرمائے میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ ان کے چار شعری مجموعے۔ ''مدحت کے پھول''، ''خیابان ارم''، ''جو یبار بخشش'' اور ''وسیلۂ بخشش'' ہیں۔ ان چاروں کا تفصیلی و تجزیاتی مطالعہ حسب ذیل ہے:

شعری مجموعے:

مدحت کے پھول

''مدحت کے پھول'' حامدؔ امروہوی کا پہلا مجموعہ کلام ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۹۵ء - ۱۴۱۵ھ میں اور دوسرا ۲۰۰۱ء - ۱۴۲۱ھ میں منصہ شہود پر آیا۔ دوسرا ایڈیشن ہی اس وقت پیش نظر ہے۔ ۲۱۵ صفحات پر مشتمل خوبصورت کتابت و طباعت سے مزین ہے۔ ابتدائی ۴۲ صفحات نثری افکار کے لئے مختص ہیں۔ ''مصنف کا تعارف'' اور اس کے بعد 'صفحۂ انتساب'۔ یہ انتساب اپنے مرشد محترم اور والد معظم کے نام ہے۔ ''پیش گفتار'' کے عنوان سے پروفیسر نثار فاروقی نے خانوادۂ روف اور خصوصاً حامدؔ امروہوی کی شاعری پر اظہار خیال کیا ہے۔

جناب شمیم جے پوری نے ''حامد امروہوی کی نعت گوئی'' میں ان کی شعری خصوصیات کی نشان دہی کی ہے۔

''تقریظ'' جناب خواجہ ریاض الدین عطش مقیم شکاگو کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔

''نعت کدۂ حامد'' کے عنوان سے ڈاکٹر محمد نفیس حسن نے حامدؔ امروہوی کی نعت گوئی کی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔

ڈاکٹر تابش مہدی نے ''مدحت کے پھول'' کو ہی عنوان بناتے ہوئے حامدؔ امروہوی کی نعت گوئی پر اظہار خیال کیا ہے۔

آخر میں ''کچھ اپنے بارے میں'' کے زیر عنوان خود حامدؔ امروہوی نے اپنا تعارف، شعری سفر امریکہ میں قیام کے دوران شعر و شاعری کی ازسرنو شروعات وغیرہ کی روداد کے ساتھ معاونین کے لئے اظہار ممنونیت کیا ہے اور جزائے خیر کی دعائیں کی ہیں۔

آغاز کلام دو اشعار سے ہوا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے کرم بے پایاں کے لئے اظہار تشکر ہے پہلے شعر میں انسان اور پھر مسلمان بنانے پر شکر ادا کیا گیا ہے تو دوسرے شعر میں مداح رسول اور صاحب دیوان ہونے پر اظہار تشکر ہے۔

''حمد باری تعالیٰ'' میں اللہ تعالیٰ کی حکمت، قدرت اور اس سے محبت کا تذکرہ ہے اس میں گیارہ اشعار ہیں۔

''سلام بحضور سرورِ کونین ﷺ'' پیش کیا گیا ہے اور اس میں پندرہ شعر ہیں لیکن اصلاً سات ہی ہیں۔

''سلام'' کے بعد دو صفحات پر دو دو اشعار کا نذرانہ نعت پیش کیا گیا ہے۔

ان ابتدائی اور تعارفی اشعار کے بعد ۶۸ نعتوں کا ایک گلدستہ ہے جسے ۵۶۶ ''مدحت کے پھولوں'' سے مزین کیا گیا ہے۔

ان میں چار اور تیرہ اشعار کی صرف ایک ایک نعت ہے۔ سولہ اشعار کی دو نعتیں ہیں۔ بارہ اشعار کی تین نعتیں ہیں۔ چھ اور دس اشعار کی چھ چھ نعتیں ہیں۔ پانچ اشعار کی آٹھ نعتیں ہیں۔ سات اشعار کی تیرہ نعتیں ہیں۔ آٹھ اشعار کی بارہ نعتیں ہیں۔ نو اشعار کی نو نعتیں ہیں۔ گیارہ اشعار کی سات نعتیں ہیں:

اشعار	نعت/نعتیں	کل اشعار
۴	۱	۴
۵	۸	۴۰
۶	۶	۳۶
۷	۱۳	۹۱
۸	۱۲	۹۶
۹	۹	۸۱
۱۰	۶	۶۰
۱۱	۷	۷۷
۱۲	۳	۳۶
۱۳	۱	۱۳
۱۶	۲	۳۲
	۶۸	۵۶۶

- گوشۂ منقبت میں خلفائے اربعہ کے حضور دو دو اشعار کا نذرانہ پیش کیا گیا ہے۔ اہل بیت اطہار کے حضور بھی چار شعر پیش کیے گئے ہیں۔ پھر سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا اور ان کی صاحبزادی سیدہ زینب کی شان میں پانچ پانچ شعر کہے گئے ہیں۔ سلام در منقبت سیدنا حضرت حسینؓ کے عنوان سے دو سلام پیش کیے گئے ہیں۔ پہلے میں پانچ اور دوسرے میں سات شعر ہیں۔ سیدنا حضرت زین العابدینؒ کی شان میں بھی پانچ شعر ہیں۔
- سیدنا امام مہدی کی منقبت میں آٹھ اشعار ہیں۔
- سیدنا حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کے عنوان سے سات اشعار کا نذرانۂ عقیدت پیش کیا گیا ہے اور مقطع میں قادری نسبت پر فخر و ناز کا بھی اظہار کیا گیا ہے۔
- سلسلہ مناقب کے آخر میں "مرشدی حضرت الحاج سید قربان حسن شاہ قدس سرہٗ کے زیر عنوان اپنے مرشد محترم کی مدح کے ساتھ دس اشعار میں التجا و التماس بھی ہے۔ اسی عنوان سے دوسری منقبت میں نو اشعار ہیں۔
- گوشۂ غزل میں سات غزلیں اور ان میں بیالیس (۴۲) اشعار ہیں۔ پہلی غزل میں چھ، دوسری میں پانچ، تیسری میں سات، چوتھی میں آٹھ، پانچویں میں چھ، چھٹی میں پانچ اور ساتویں میں بھی پانچ اشعار ہیں۔

پورے مجموعے میں مختلف اصناف کے کل اشعار کی تعداد ۷۱۳ ہے۔

حمد	۱۳
سلام	۲۷
نعت	۵۷۰
مناقب	۶۱
غزل	۴۲
	۷۱۳

○■○

خیابانِ ارم

'خیابان ارم' حامدؔ امروہوی کا دوسرا مجموعہ کلام ہے جو ۲۰۰۰ء - ۱۴۲۱ھ میں شائع ہوا۔ ۱۶۰ صفحات پر مشتمل اس مجموعے میں غالب حصہ نعت ومناقب کے لئے وقف ہے۔ کتاب کا انتساب حضرت رؤفؔ امروہوی کے نام ہے۔ ابتدا پروفیسر نثار احمد فاروقی کے 'پیش لفظ' سے ہوئی ہے۔ خواجہ ریاض الدین عطشؔ نے ''گلہائے خیابان ارم'' کے عنوان سے حامد امروہوی کی شاعری پر اظہار خیال کیا ہے۔

سید محمد حنیف اخگرؔ ملیح آبادی مقیم نیویارک نے ''نعت رسالتمآب ﷺ اور حامدؔ امروہوی'' کے زیر عنوان ان کی نعت گوئی پر روشنی ڈالی ہے۔ 'عرض حال' میں خود حامدؔ امروہوی نے اپنے احوال واحساسات کے ساتھ اپنے معاونین کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اس طرح ابتدائی ۲۲ صفحات نثری افکار کے لئے مختص رہے ہیں۔

شعروسخن کا آغاز حسب روایت ''حمد باری تعالیٰ'' سے ہوا ہے اور سترہ اشعار میں اس کی حمد وثنا کے ساتھ اس کے عطیات پر اظہار تشکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد دو مزید حمدیہ نظمیں ہیں، پہلی میں بارہ اور دوسری میں دس اشعار ہیں۔ اس طرح حمد الٰہی میں کل انتالیس (۳۹) اشعار ہیں۔

آٹھ اشعار میں ''سلام بحضور سرور کائنات'' پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نعتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور ۳۶۷ گلہائے عقیدت سے مزین چالیس نعتوں کا ایک خوبصورت اور بہار بھر کم گلدستہ پیش کیا گیا ہے۔

ان میں چار چار اشعار کی دو، چھ چھ اشعار کی چھ، سات سات اشعار کی پانچ، آٹھ آٹھ اشعار کی چار، نو نو اشعار کی پانچ، دس دس اشعار کی پانچ، گیارہ گیارہ اشعار کی تین، بارہ بارہ

اشعار کی چھ، تیرہ اشعار کی صرف ایک، چودہ چودہ اشعار کی دو اور پندرہ اشعار کی صرف ایک نعت ہے۔ان سب اشعار کی کل تعداد ۳۶۷ ہو جاتی ہے۔

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل مواقع پر کہے گئے اشعار نیز مناقب اور چند غزلیں بھی اس مجموعہ کلام میں شامل ہیں:

- قاضی محمد افضل بیابانی صاحب کے دولت کدے پر موئے مبارک کی زیارت کرائی گئی تھی۔اس موقع کی مناسبت سے چار اشعار پیش کئے گئے تھے۔
- عازم حرم پاک کو مخاطب کر کے دو اشعار کہے گئے تھے۔
- اپنے والد گرامی حضرت روفؔ امروہوی کے شعر پر تضمین کرتے ہوئے بشکل مخمس چھ بند ہیں جن کے مصرعوں کی تعداد تیس ہوتی ہے۔
- اپنے پہلے مجموعہ کلام ''مدحت کے پھول'' کی رسم اجراء کے موقع پر نعت سرور کائنات ﷺ کے ساتھ اس بزم کی مناسبت سے چودہ اشعار پیش کئے گئے تھے۔
- خلیفۂ اول و دوم و سوم کی منقبت میں سات سات اشعار ہیں، خلیفۂ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی مدح میں دو منقبتیں ہیں اور ہر ایک میں چھ چھ اشعار ہیں۔ ان کے بعد ''سلام بحضور سید الشہداء حضرت حسین رضی اللہ عنہ' ہے جو تیرہ اشعار پر مشتمل ہے۔
- خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی منقبت میں آٹھ اشعار ہیں۔
- ڈاکٹر حبیب الدین احمد صاحب کے سعادت حج حاصل کرنے کے موقع پر بارہ تہنیتی اشعار کہے گئے ہیں۔
- خواجہ ریاض الدین عطشؔ صاحب کے صاجزادگان کی تقریب ولیمہ میں بارہ تہنیتی و دعائیہ اشعار پیش کئے گئے تھے۔
- نعمان بیگ ابن لئیق بیگ صاحب کی شادی کے موقع پر بھی سات اشعار کا سہرا پیش کیا گیا تھا۔
- عکاشہ سلمہ نبیرہ سید جعفر محی الدین قادری صاحب کی رسم قرآن خوانی کی محفل میں دس

دعائیہ اشعار پیش کئے گئے تھے۔

- ✪ خواجہ ریاض الدین عطش صاحب کے اعزاز میں منعقدہ محفل میں چھ توصیفی اشعار پیش کئے گئے تھے۔
- ✪ نیاز گلبرگوی صاحب کے اعزاز میں منعقد محفل میں ان کی مدح میں سات اشعار کا نذرانہ پیش کیا گیا تھا۔
- ✪ حسن چشتی صاحب کے جشن میں دو، دو اشعار کے چار قطعات پڑھے گئے تھے۔
- ✪ امیر احمد خسرو مرحوم کی یاد میں منعقد ہونے والے جلسے میں نوحزنیہ اشعار پڑھے گئے تھے۔
- ✪ رنگ تغزل کے عنوان سے اس مجموعہ میں صرف تین غزلیں ہیں۔ پہلی میں نو، دوسری میں آٹھ اور تیسری میں دس اشعار ہیں۔
- ✪ حج بیت اللہ کی سعادت اور زیارت مدینہ منورہ کا ایک سال پورا ہونے پر جو احساسات وتاثرات ہوئے انھیں سات اشعار میں پیش کیا گیا ہے۔

اس طرح اس مجموعہ کلام کا یہ ایک مکمل جائزہ ہے اس مجموعہ کے کل اشعار کی تعداد ۶۰۸ ہے۔

صنف سخن	اشعار
حمد	۳۹
سلام	۲۱
نعت	۳۶۷
مناقب	۴۱
غزل	۲۷
متفرق	۱۱۳
	۶۰۸

○■○

جو یبار بخشش

''جو یبارِ بخشش'' حامدؔ امروہوی کا شائع کردہ تیسرا شعری مجموعہ ہے لیکن یہ جدید کلام کا مجموعہ نہیں بلکہ بڑی حد تک ان کے پہلے دو مجموعہ ہائے کلام۔ ''مدحت کے پھول، اور ''خیابانِ ارم'' کے کلام کا انتخاب ہے، تاہم کچھ جدید کلام بھی شامل کیا گیا ہے جس کی تفصیل آئندہ سطور میں آ رہی ہے۔

سن۲۰۰۳ء-۱۴۲۵ھ میں شائع ''جو یبار بخشش'' کئی حیثیتوں سے ایک منفرد و ممتاز مجموعہ کلام ہے۔

۲۵۶ صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ کلام بہترین چکنے اور دبیز آرٹ پیپر پر شائع کیا گیا ہے۔ اس کے دائیں صفحے پر اردو رسم الخط میں اور بائیں صفحہ پر رومن رسم الخط میں کلام شائع کی گیا ہے۔ غالباً یہ پہلا مجموعہ کلام ہے جو اس انداز سے شائع کیا گیا ہے۔

اس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے سرورق پر مسجد نبوی کا وہ خوبصورت اور رنگین نقشہ دیا گیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تھا۔

رومن رسم الخط میں شائع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اب مغرب تو کیا خود ہندستان میں بھی ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اردو بول اور سمجھ سکتی ہے لیکن اردو رسم الخط سے واقف نہیں ہے۔ انھیں کی ضرورت اور خواہش کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس مجموعہ کو اس انداز اور رنگ میں شائع کیا گیا ہے تا کہ وہ بھی کلام حامدؔ اور حمد و نعت و مناقب سے محظوظ ہو سکیں۔

اس مجموعہ میں حمد، نعت، سلام، منقبت اور صرف دو نظمیں ہیں۔

انتساب، مداح رسول اور اپنے والد محترم حضرت رؤفؔ امروہوی اور ان کے قدر شناس شاگرد رشید پروفیسر نثار فاروقی کے نام ہے۔ 'پیش لفظ' بھی پروفیسر موصوف کا ہی ہے۔

'آغاز سخن' کے عنوان سے خود حامد صاحب نے اپنے تاثرات بیان کئے ہیں اور رومن رسم الخط میں کلام شائع کرنے کی وجہ بتائی ہے نیز معاونین ومحسنین کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اسی میں یہ اعتراف بھی ہے کہ اس مجموعہ کلام میں کچھ نعتیں ''مدحت کے پھول'' سے اور کچھ ''خیابان ارم'' سے معمولی ردوبدل کے ساتھ لی گئی ہیں۔ کچھ نیا کلام بھی شامل کیا گیا ہے:

- آغاز کلام حسب معمول ''حمد باری تعالیٰ سے ہوا ہے۔ ابتدا میں دو دوشعر کے دو قطعات ہیں۔ پھر مسلسل ''حمد باری تعالیٰ'' کے عنوان سے سات سات اشعار پر مشتمل پانچ نظمیں ہیں۔ دونوں قطعات 'مدحت کے پھول' اور ابتدائی تین حمد ''خیابان ارم'' سے ماخوذ ہیں۔ دوحمد نئی ہیں اس طرح کل حمد یہ اشعار کی تعداد ۳۹ ہے۔
- سات سات اشعار کے دو سلام ہیں ۔ پہلا ''خیابان ارم'' سے لیا گیا ہے ۔ دوسرا نیا ہے۔
- ہدیہ سلام کے بعد بحضور فخر موجودات، سید الرسل وسید الاولین والآخرین ﷺ ۹۳ نعتوں کا گلدستہ پیش کیا گیا ہے۔ ان میں پانچ پانچ اشعار کی پانچ چھ چھ اشعار کی نو، سات سات اشعار کی ستتر (۷۷) اور آٹھ آٹھ اشعار کی صرف دو نعتیں ہیں ۔ اس طرح نعتیہ اشعار کی کل تعداد ۶۳۴ ہے۔ ان میں سے ''مدحت کے پھول'' سے پینتالیس (۴۵) اور ''خیابان ارم'' سے چونتیس (۳۴) منتخب نعتیں معمول ردو بدل کے ساتھ لی گئی ہیں۔ باقی چودہ (۱۴) نعتیں نئی ہیں۔
- چاروں خلفائے راشدین مہدین کی خدمت میں سات سات اشعار کا نذرانہ منقبت پیش کیا گیا ہے۔ مناقب کے یہ بھی اٹھائیس (۲۸) اشعار ''خیابان ارم'' سے ماخوذ ہیں۔
- حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور ان کی نامور صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی منقبت میں پانچ پانچ اشعار ہیں اور یہ اشعار ''مدحت کے پھول'' سے لئے گئے ہیں۔
- حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت الحاج سید قربان حسن شاہ اور حضرت محمد مودود احمد الرشیدی القادری عرف بابا صاحب رحمہم اللہ کی

منقبت میں سات سات اشعار ہیں جبکہ حضرت شیخ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ کی مدح میں چھ اشعار ہیں۔ ان میں سے صرف حضرت محمد مودود احمد صاحب کی مدح نئی ہے باقی سب ''مدحت کے پھول'' اور 'خیابان ارم' سے ماخوذ ہیں۔

آخر میں ''کفارہ'' اور ''تعارف'' کے عنوان سے چودہ چودہ اشعار کی دو جدید نظمیں شامل کی گئی ہیں۔

اس طرح اس مجموعہ کے قدیم و جدید اشعار کی تعداد ۷۸۷ ہے۔

بہرحال یہ مجموعہ اپنی اہمیت وافادیت کے لحاظ سے اہم ہے۔

○■○

وسیلۂ بخشش

''وسیلۂ بخشش'' حامدؔ امروہوی کا چوتھا اور فی الحال آخری شعری مجموعہ ہے جو ۱۴۲۹ھ-۲۰۰۸ء میں شائع ہوا ہے۔ دو سو صفحات پر مشتمل اس مجموعے کے ابتدائی ۵۶ صفحات میں حامد امروہوی کی شعری فتوحات پر قلم کاروں کے مضامین ہیں۔ انتساب محبوب خالق دو جہاں کی ثنا کرنے والوں کے نام ہے۔ کوائف میں حامدؔ امروہوی کے حالات اور تعارف ہے۔ ابتدا قمر علی عباسی مقیم نیو یارک امریکہ کی ''اپنی بات'' سے ہوئی ہے جو صرف دو صفحات میں مکمل ہوگئی ہے۔ ''کمال عقیدت'' کے عنوان سے پروفیسر دلنواز صدیقی مقیم امریکہ نے سات صفحات میں حامد امروہوی کے اشعار پر اپنے تاثرات قلم بند کئے ہیں۔ تیسرا مضمون ''حامد امروہوی اور ان کے شعری مجموعے'' کے عنوان سے اس راقم آثمِ کا ہے جس نے حامدؔ صاحب کی شخصیت اور ان کے دو شعری مجموعوں 'مدحت کے پھول اور 'خیابان ارم' پر سولہ صفحات سیاہ کئے ہیں۔ ''حامد امروہوی کی نعتیہ شاعری'' پر ڈاکٹر سید محمد تقی عابدی مقیم ٹورانٹو کینیڈا نے چھ صفحات میں اظہار خیال کیا ہے۔ ''حامدؔ امروہوی کی تخلیق ''جوئبار بخشش'' کی افادیت پر صلاح الدین ناصر مقیم نیو یارک نے پانچ صفحات میں روشنی ڈالی ہے۔ نیاز گلبر گوی مقیم امریکہ نے ''وسیلۂ بخشش'' پر صرف دو صفحات میں طائرانہ نظر ڈالی ہے۔ رضیہ فصیح احمد مقیم شکاگو امریکہ نے میر انیسؔ کے مشہور مصرعے ''اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں، کو عنوان بنا کر مرزا حامد کے مضامین نعت پر روشنی ڈالی ہے اور آخر میں 'عرض حال' کے عنوان سے خود حامدؔ امروہوی نے چار صفحات میں اپنے احوال کے ساتھ ان سب کا شکریہ ادا کیا ہے جو کسی بھی مرحلے میں ان کے معین و مددگار، ہمدرد و غم گسار اور محب و محسن ثابت ہوئے ہیں۔

اس طرح کتاب کے دو سو صفحات میں سے ۵۶ صفحات نثر پاروں کے لئے مختص رہے ہیں:

- ابتدا حسب معمول ''حمد باری تعالیٰ'' سے ہوئی ہے اور ان کی تعداد تین ہے۔ پہلی میں انیس (۱۹) اشعار ہیں، دوسری میں نو (۹) اور تیسری میں سات (۷) اشعار ہیں۔ اس طرح ''حمد باری'' کل ۳۵ اشعار پر مشتمل ہے۔
- اس کے بعد ''سلام بحضور سرور کائنات ﷺ ہے جس میں آٹھ اشعار ہیں۔
- سلام کے بعد نعتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جنکی کل تعداد ۳۴ ہے۔ ان میں چار چار اشعار کی دو، چھ چھ اشعار کی چار، سات سات اشعار کی چھ، آٹھ آٹھ اشعار کی دو، نو نو اشعار کی چھ، دس دس اشعار کی چار، گیارہ گیارہ اشعار کی آٹھ اور بارہ بارہ اشعار کی دو نعتیں ہیں۔ اس طرح ان کے کل اشعار کی تعداد ۲۹۶ ہو جاتی ہے۔
- مستقل نعتوں کے بعد نعتیہ قطعات اور اشعار کا سلسلہ ہے۔ دو دو اشعار پر مشتمل ۲۹ قطعات ہیں۔ تین تین اشعار کے تین قطعات ہیں اور بارہ متفرق اشعار ہیں۔ اس طرح ان اشعار کی کل تعداد ۷۹ ہو جاتی ہے۔ نعتیہ اشعار کی تعداد ۳۷۵۔
- 'تعارف' کے عنوان سے خود اپنا تعارف چودہ (۱۴) اشعار میں پیش کیا ہے۔
- 'کفارہ' کے عنوان سے اس مجموعہ میں شامل وہ نظم ہے جس کے سولہ (۱۶) اشعار میں اپنے اعمال کا محاسبہ کیا گیا ہے۔
- گوشہ منقبت کا آغاز تین شعروں سے ہوا ہے۔ پہلے شعر میں آل و اصحاب کی عمومی منقبت اور ان سے محبت کا درس ہے۔ دوسرے شعر میں ''شاہ جیلان غوث اعظم'' کی منقبت ہے اور آخری شعر میں اپنے قادری ہونے پر فخر اور اسی نسبت سے مشہور و معروف ہونے کی آرزو ہے۔
- دوسری منقبت بھی تین اشعار پر مشتمل اور حضرت نظام الدین محبوب الٰہی اور ان کے عزیز ترین مرید حضرت امیر خسرو کی تعریف و توصیف پر مبنی ہے۔
- تیسری دس اشعار کی منقبت کئی بزرگوں کی مدح پر مشتمل ہے۔ چوتھی نو اشعار کی منقبت عموماً بزرگان دین کی مدح میں ہے لیکن حضرت خواجۂ اجمیر کی طرف واضح اشارہ کرتی ہے۔ پانچویں اور آخری منقبت حضرت محمد مودود احمد الرشیدی القادری عرف بابا صاحب

کی مدح میں ہے اور سات اشعار پر مشتمل ہے۔ اس طرح مختلف مناقب کے کل اشعار کی تعداد ۳۲ ہے۔

✪ اس کے بعد مختلف مواقع پر کہے گئے اشعار ہیں جو بڑی حد تک وقتی ضرورت و مصلحت کے تحت کہے گئے ہیں اور ہنگامی نوعیت کے ہیں لیکن ان میں بھی اکثر اشعار عمومی نوعیت کے ہیں اور مختلف مواقع پر حسب ضرورت استعمال کئے جا سکتے ہیں اور یہی ان کی خصوصیت ہے:

۱۔ 'مسجد الہدیٰ' شام برگ کی تعمیر اور ان کے کارکنان کے نام تین اشعار ہیں۔

۲۔ ''خیابان ارم'' کے اجراء کے موقع پر دو شعر پیش کئے گئے تھے۔

۳۔ سید شمیم رجز مقیم لاس انجلس کی تصنیف ''میر کارواں'' کی رونمائی کے موقع پر پانچ شعر پیش کئے گئے تھے۔

۴۔ قاضی محمد افضل بیابانی کے صاحبزادے شکیب سلمہ کے حفظ قرآن کے موقع پر منعقد ہونے والی تقریب میں پانچ دعائیہ اشعار پڑھے گئے تھے۔

۵۔ آمنہ بنت نبی رضا خاں صاحب کی تقریب بسم اللہ کے موقع پر سات دعائیہ اشعار پیش کئے گئے تھے۔

۶۔ مرزا لیئق بیگ صاحب کی پوتی ضحیٰ سلمہا کی رسم بسم اللہ کے موقع پر سات اشعار پیش کئے گئے تھے۔

۷۔ سید صلاح الدین سکندر صاحب کی صاحبزادیوں کی شادی کی تقریب میں پانچ اشعار کا جدید انداز کا سہرا پیش کیا گیا تھا۔

۸۔ سفیان بیگ سلمہ نبیرہ سید صلاح الدین سکندر کی رسم عقیقہ کے موقع پر سات اشعار پیش کئے گئے تھے۔

۹۔ امریکن اردو رائٹرس سوسائٹی کی طرف سے خود کو لٹریری ایوارڈ ملنے کی تقریب کے موقع پر دو شعر پیش کئے گئے تھے۔

۱۰۔ نبی رضا خاں صاحب کے فرزند احمد رضا خاں سلمہ کی شادی کی تقریب میں بطرز سہرا

تیرا (۱۳) اشعار پڑھے گئے تھے۔

۱۱۔ رحیم الدین خاں بابر سلمہ کے عقد کے موقع پر بشکل سہرا دس اشعار پیش کئے گئے تھے۔

۱۲۔ ''اپنی شادی کی پچاسویں سالگرہ پر'' دس شعروں میں رفیق حیات کے ساتھ الفت و رفاقت کا تذکرہ ہے۔

۱۳۔ مہر صاحب کی تصانیف ''سخنور'' اور ''گفتنی'' کے رسم اجراء کے موقع پر لاس انجلس میں سات شعر پڑھے گئے تھے۔

۱۴۔ نسیمہ کلثوم صاحبہ کے دیوان ''افکار نسیم'' کے اجراء کے موقع پر آٹھ شعر پیش کئے گئے تھے۔

۱۵۔ ڈاکٹر مظفر الدین فاروقی کی تصنیف ''تین ملک ایک کہانی'' کی جشن رونمائی میں پانچ شعر پڑھے گئے تھے۔

۱۶۔ خواجہ ریاض الدین عطش مرحوم کی یاد میں منعقد ہونے والے جلسے میں ان کی خوبیوں کے تذکرے پر مشتمل تیرہ اشعار پیش کئے گئے۔

۱۷۔ ''یاد عطش'' کے عنوان سے بھی تین شعروں میں عطش مرحوم کو یاد کیا گیا ہے۔

۱۸۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی کے انتقال پر سات شعروں میں اپنے جذبات واحساسات اور رنج وغم کا اظہار کیا گیا ہے۔

اس طرح ان مختلف مواقع پر کہے گئے اشعار کی تعداد ۱۵۱ ہو جاتی ہے۔

✪ ''رنگ تغزل'' کے عنوان سے نو غزلیں ہیں۔ پہلی غزل میں پانچ شعر، دوسری، تیسری میں آٹھ آٹھ۔ چوتھی میں سات شعر ہیں۔ ان کے بعد ''تھکاوٹ'' کے عنوان سے دو شعر ہیں جن میں اپنی مصروفیت پر بچوں کے احساس سے تھکن کے دور ہونے کی خوشی ظاہر کی گئی ہے۔

پھر پانچ غزلیں ہیں۔ پانچویں میں گیارہ، چھٹی میں سات، ساتویں میں نو، آٹھویں میں گیارہ اور نویں و آخری غزل میں سات اشعار ہیں۔ اس طرح غزلوں کے کل اشعار کی تعداد ۷۳ ہو جاتی ہے۔

پورے مجموعے میں جملہ اقسام سخن کے اشعار کی تعداد ۶۷۴ ہے۔

خوبصورت کتابت وطباعت سے مزین اس مجموعے کے فلیپ پر گنبد خضرا کا دیدہ زیب فوٹو ہے۔ پشت پر حامدؔ امروہوی کے فوٹو کے ساتھ ''خانوادۂ روفؔ امروہوی کی تصانیف کی فہرست ہے۔ اندر بھی حامدؔ امروہوی اوران کے والد گرامی حضرت روفؔ امروہوی کے رنگین فوٹو ہیں۔اس طرح مجموعہ کوصوری ومعنوی نقطۂ نظر سے دیدہ زیب اور قابل توجہ بنایا گیا ہے۔

صنف سخن	تعداد اشعار
حمد	۳۵
سلام	۸
نعت	۳۷۵
مناقب	۳۲
غزل	۷۳
متفرق	۱۵۱
	۶۷۴

○■○

مرتبہ مجموعے:

۱۔ متاعِ مخفی

''متاعِ مخفی''۔ میں مخفی امروہوی کا کلام یکجا و مرتب کیا گیا ہے۔ مخفی حامد صاحب کی بیگم ہیں جنھوں نے کبھی کبھی بطور تفنن طبع شعر گوئی کی سعادت حاصل کی۔ امریکہ میں رہتے ہوئے چند سال تک مشاعروں میں بھی شرکت کی۔ ان کا کلام مختصر ہے۔ ۱۳۱ صفحات کا یہ مجموعہ حامد صاحب کا ترتیب کردہ ہے۔ اس پر تفصیلی تبصرہ آئندہ صفحات میں موجود ہے۔

۲۔ سرمایہ رؔوف امروہوی

حامؔد صاحب کے والد گرامی حضرت رؔوف امروہوی نے مختلف اوقات میں تین شعری مجموعے اور ایک سوانحی مجموعہ شائع کرایا تھا۔ جواب بڑی حد تک نایاب ہو رہے تھے۔ حامد صاحب نے ان سب کو یکجا و مرتب کر کے ایک ضخیم جلد میں جو ۵۰۲ صفحات پر مشتمل ہے، شائع کیا ہے۔

یقیناً حامؔد صاحب اس کے لئے خراج تحسین اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔

○■○

حمدِ الٰہی

اللہ تعالیٰ واحد ہے۔ کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں۔ وہ خالق و مالک ہے، قادر مطلق ہے، سمیع و بصیر ہے۔ اس کی قدرت، سماعت و بصارت ہمارے فہم وادراک سے ماورئ ہے۔ اس کے حکم کے بغیر پتہ نہیں ہل سکتا۔ پس وہی ہماری عبادت کا مستحق ہے۔ ہمیں اسی کی عبادت کرنی چاہیے، اسی کے سامنے سر نیاز خم کرنا چاہیے اور اسی کے احکام کی پابندی کرنی چاہیے، اس کی قضا وقدر پر مطمئن رہنا چاہیے۔ خود اس کا ارشاد گرامی ہے کہ میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عبادت کیا ہے؟ کیا ہر وقت نماز پڑھتے رہنا، روزے سے رہنا، اس کی تسبیح و تحلیل کرتے رہنا ہی عبادت ہے اور کیا انسان کو ہر وقت انھیں میں مشغول رہنا چاہیے؟ حالانکہ انسانی زندگی بہت سی ضروریات سے عبارت ہے۔ اسے زندہ رہنے کے لئے کھانا بھی ہے اور سونا بھی، حوائج ضروریہ سے فراغت بھی حاصل کرنی ہے۔ خود کھانے کا انتظام بھی کرنا ہے، روزگار بھی حاصل کرنا ہے۔ شادی بیاہ کر کے جنسی تسکین کا سامان بھی فراہم کرنا ہے اور نسل انسانی کو آگے بڑھانا بھی ہے۔ علم حاصل کرنا، اس کی ترویج و اشاعت کرنا، نئی نئی ایجادات و اختراعات بھی کرنا ہے۔ بیماروں، بوڑھوں، کمزوروں، عورتوں اور بچوں کی حفاظت و نگہداشت بھی کرنا ہے اور ان کے لئے اسباب و وسائل مہیا کرنے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ صرف عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو مختصر سی زندگی میں اتنے کام اور اتنی ذمہ داریاں اس کے سر کیوں کی گئی ہیں اور اگر اسے یہ سب ذمہ داریاں پوری کرنی ہیں اور ان فرائض کو بجالانا ہے تو وہ عبادت کے لئے کہاں سے وقت لائے؟

جن لوگوں نے کم فہمی کی بنا پر صرف نمازیں پڑھنے، روزے رکھنے اور تسبیح و تحلیل میں مشغول رہنے کو ہی عبادت سمجھا ہے تو ان کے لئے دونوں طرح کے کام کرنے اور دونوں قسم کی

ذمہ داریوں کو پورا کرنا واقعی مسئلہ ہے لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ اللہ و رسول کے احکام کے مطابق فرائض و واجبات ادا کرتے ہوئے تمام دنیاوی کاموں کی انجام دہی بجائے خود عبادت ہے۔ہمارا کھانا، پینا، سونا، جاگنا، ہنسنا، بولنا، عائلی زندگی گزارنا، علم و روزگار حاصل کرنا وغیرہ سبھی عبادت و ریاضت کے درجہ میں ہوں گے بشرطیکہ ان سب سے ہماری مراد اور نیت اللہ و رسول کی رضا و خوشنودی ہو اور ان کے احکام کی پابندی ہو۔ 'دل بہ یار' دست بہ کار، کی کیفیت ہو۔

اسی لئے ایک نیک دل بندے کا ہر کام بسم اللہ سے اس کی حمد و ثنا سے شروع ہوتا ہے۔ شعر و سخن کا آغاز بھی حمد، نعت اور منقبت سے ہوتا ہے۔تینوں اصناف درجہ بدرجہ آتی ہیں۔

حامدؔ امروہوی نے خود کو بڑی حد تک حمد و نعت و منقبت کے لئے وقف کر دیا ہے۔انھیں میدانوں میں ان کے اشہب قلم نے جولانیاں دکھائی ہیں۔ان کے ہر مجموعہ کلام کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے، دعا و مناجات سے اور اس سے التجا و التماس سے ہوا ہے۔

✪ ان کے پہلے مجموعہ کلام ''مدحت کے پھول'' میں جو حمد باری تعالیٰ ہے، وہ بڑی نغمگی لئے ہوئے ہے۔اس میں اللہ اللہ ھُو. 'لاالہَ الا ھُو ،کی تکرار ہے۔درمیان میں اللہ کی مدح و ثنا کے پانچ اشعار ہیں۔پہلا بند اس طرح ہے۔

اللہ اللہ ھُــو لا الـــہ الاھُــو
اللہ اللہ ھُو لا الـــہ الاھُــو
تیری قدرت کے نظارے، تیرے ہی جلوے ہر سُو
تو ہی ظاہر تو ہی باطن، اول آخر تو ہی تو

اسی طرح مندرجہ ذیل اشعار سے پہلے یہ نعرۂ مستانہ عجب لطف دیتا ہے:

قمری کو چاہت ہے تیری، بلبل کو الفت ہے تیری
غنچوں میں رنگت ہے تیری، پھولوں میں تیری خوشبو

سورج چاند ستارے تیرے، یہ رنگین نظارے تیرے
میں کیا اور میرا کیا ہے، سب کچھ تیرا تو ہی تو

تو خالق ہے تو مالک ہے۔ تو مولا ہے تو ہی رب
تجھ سے منگنے والے ہیں سب، سب کی سننے والا تو

دم تیری الفت کا بھرے ہے، تجھ سے جئے ہے تجھ پہ مرے ہے
حامدؔ تیری حمد کرے ہے، یہ بندہ ہے، مولا تو
اللہ اللہ ھُو لا الہ الاھُو
اللہ اللہ ھُو لا الہ الاھُو

(مدحت کے پھول، ص۴۴-۴۵)

اسے جوش وجذبے اور دل کی گہرائیوں سے باآواز بلند پڑھا جائے تو یقیناً ایک کیفیت اور مستی وسرشاری کا انداز پیدا ہوگا اور اللہ کی الفت ومحبت عروج پر ہوگی۔

حامدؔ امروہوی نے اس مجموعہ کا آغاز دو اشعار سے کیا ہے اور دونوں میں اللہ تعالیٰ کے احسانات پر ممنونیت کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

اللہ کا احسان کہ انسان بنایا
اور اس پہ کرم یہ کہ مسلمان بنایا
محبوب کی مدحت کا شرف بخش کے رب نے
مداح کیا، صاحب دیوان بنایا

(مدحت کے پھول، ص۴۳)

وہ اللہ کی رحمت کے ہمیشہ امیدوار رہتے ہیں۔ اس کا اظہار انھوں نے اپنی ایک نعت میں اس طرح کیا ہے۔

رکھتا ہوں آس رحمت پروردگار کی
ہوگی سحر ضرور شب انتظار کی
حد ہی نہیں ہے رحمت پروردگار کی
برآئے گی امید ہر امیدوار کی

(مدحت کے پھول، ص۱۳۴)

✪ ''خیابان ارم'' کے آغاز میں تین ''حمد باری تعالیٰ'' ہیں۔ پہلی میں سترہ، دوسری میں بارہ اور تیسری میں دس اشعار ہیں۔

پہلے شعر میں اپنے عبد و حامد ہونے اور اس کی عبادت و مدحت کرنے کا اقرار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

عبد ہوں تیرا، میں کرتا ہوں عبادت تیری
نام حامؔد ہے، کیا کرتا ہوں مدحت تیری

(خیابان ارم، ص ۲۳)

ان کے نزدیک آنکھ صحیح معنی میں وہ آنکھ ہے جو اللہ کی قدرت در حمت کو دیکھ سکتی ہے اور وہی دل حقیقت میں دل کہلانے کا مستحق ہے جس میں اس کی الفت و محبت جاگزیں ہو، جو اس کے احسانات کو محسوس کرتا ہو۔

آنکھ وہ ہے نظر آئے جسے قدرت تیری
اور دل وہ ہے جو رکھتا ہو محبت تیری

(خیابان ارم، ص ۲۳)

✪ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ وہ بندوں کی رگ جاں سے زیادہ قریب ہے۔ اہل ایمان اور اہل محبت تو ایسا ہی سمجھتے ہیں اور ہر حال میں اسی کی طرف دیکھتے، اسی سے مدد چاہتے اور اسی کو پکارتے ہیں لیکن ملحد و منکر بھی مصیبت کی گھڑی میں اسی کی طرف دیکھتے اور اسی کو پکارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اسی حقیقت کو حامؔد نے اس طرح بیان کیا ہے۔

اہل ایماں تو رگ جاں سے قریں جانتے ہیں
تیرے منکر کو بھی پڑتی ہے ضرورت تیری

(خیابان ارم، ص ۲۴)

✪ اللہ تعالیٰ کے احسانات بے شمار و بے پایاں ہیں لیکن بعثت محمدی ﷺ کو اس نے اپنا احسان عظیم قرار دیا ہے۔ کلام اللہ میں ارشاد ہے کہ ہم نے انسانوں پر یہ احسان کیا ہے کہ ان ہی میں سے ایک کو ہادی و رہنما بنا دیا ہے تا کہ وہ عام لوگوں کو صراط مستقیم دکھائیں، انھیں اللہ

آگیا جو حد تصور میں
چاہے کچھ ہو، خدا نہیں ہوتا

(خیابان ارم، ص ۲۸)

ہر تصور ہے غلط ذات الٰہی کے لئے
جو تصور میں نہ آئے وہ خدا ہوتا ہے

(مدحت کے پھول، ص ۲۱۰)

✪ اللہ تعالیٰ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ اسے کبھی فنا نہیں، وہ حی و قیوم ہے، باقی ہے۔ اس کے حکم کے بغیر پتہ نہیں ہلتا، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ پوری کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ اس کی قضا و قدر کے تابع ہے۔ یہ مسلمہ عقائد و حقائق ہیں جنھیں حامدؔ نے اس طرح نظم کا جامہ پہنایا ہے۔

وہ تھا، وہ ہے، وہی رہے گا
باقی ہر چیز کو فنا ہے
جو چاہے گا وہ، فقط وہ ہوگا
جو چاہتا ہے، وہ ہو رہا ہے
جب تک نہ ہو اس کا اک اشارہ
پتا بھی نہ خود سے ہل سکا ہے

(خیابان ارم، ص ۲۶-۲۷)

✪ عام انسانوں کی اللہ تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ کوئی بندۂ خاص ہی اللہ کا عرفان کرا سکتا ہے اس کے محبوب بندے اور حبیب و خلیل کے بغیر، ان کے واسطے اور وسیلے کے بغیر معرفت الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی، اس کا فضل و کرم نہیں ہو سکتا۔ اللہ اور اس کی وحدانیت کا اقرار اس وقت تک لا حاصل ہے جب تک رسالت محمدی ﷺ کا اقرار و اعلان نہ ہو۔ ان کی عزت و توقیر نہ ہو، عظمت و رفعت نہ ہو۔ ان عقائد و خیالات کو حامدؔ نے اس طرح نظم کیا ہے۔

بندوں نے خدا کو جس سے سمجھا
وہ ذاتِ جناب مصطفیٰ ہے

(خیابان ارم، ص ۲۷)

ربط اپنا جو کبریا سے ہے
واسطہ اس کا مصطفیٰ سے ہے

(وسیلۂ بخشش، ص ۷۶)

جو حبیب خدا سے دور رہے
اس پہ فضل خدا نہیں ہوتا

(خیابان ارم، ص ۲۹)

✪ ''جو یبار بخشش'' کا آغاز پانچ ''حمد باری تعالیٰ'' سے ہوا ہے۔ ان میں تین ''خیابان ارم'' میں شامل 'حمد' کا انتخاب ہیں۔

✪ ایک حدیث پاک میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق اور مہربان ہے۔ ان کی ہر طرح سے خبر گیری اور پرورش کرتا ہے اور ان کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ ان ارشادات کو پیش نظر رکھ کر حامدؔ نے کہا ہے

اتنے ماں باپ بھی نہیں ہوتے
جس قدر ہم پہ مہر باں تو ہے
تو سہارا ہے بے سہاروں کا
پاسبانوں کا پاسباں تو ہے
دینے والوں کو دینے والا تو
مہربانوں پہ مہرباں تو ہے

اسی لئے تو

حمد کرتا ہے عبد ہے حامدؔ
اور ممدوح دو جہاں 'تو' ہے

(جو یبار بخشش، ص ۲۸)

ان کی اکثر نعتوں میں بھی مناجات اور التجا شامل ہے۔ کس سوز کے ساتھ کہتے ہیں:

حسرت جو مرے دل کی ہے یارب وہ برآئے
مجھ کو مرے سرکار کا روضہ نظر آئے

(مدحت کے پھول، ص ۱۲۱)

✪ حامدؔ کہتے ہیں کہ اللہ میری رگ جاں سے قریب ہے اور ہر حال میں میرا نگراں و مددگار، اس لئے کسی حال میں بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، وہ ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے بشرطیکہ اس پر یقین کامل ہو۔

میرا آساں نہیں مشکل سے پریشاں ہونا
جانتا ہوں ترا نزدیک رگ جاں ہونا

(خیابان ارم، ص ۵۹)

حامدؔ امروہوی کے اب تک کے آخری مجموعہ کلام ''وسیلۂ بخشش'' کا آغاز حسب معمول تین ''حمد باری تعالیٰ سے ہوا ہے۔ ان میں سے آخری دو کے منتخب اشعار ''جوئبار بخشش میں بھی ہیں۔ پہلی حمد میں حمد کے ساتھ مناجات اور دعائیں بھی ہیں۔

بلاشبہ اہل نظر کو کائنات کے ذرے ذرے میں اللہ کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اس کی ہر مخلوق اپنے خالق کا پتہ دیتی ہے۔ اسی کے پیش نظر حامدؔ کہتے ہیں۔

رنگ جتنے بھی کائنات میں ہیں
ہے ترا رنگ جلوہ گر یارب
دونوں عالم نگاہ میں ہیں
سب پہ رکھتا ہے تو نظر یارب

حمد وثنا کے بعد اپنے لئے درج ذیل دعائیں کرتے ہیں۔

اس قدر اعتبار ہو تجھ پر
خود میں ہو جاؤں معتبر یارب
مجھ پہ بھی اک نگاہ لطف و کرم
آنکھ کب سے ہے سوئے در یارب

آرزو کا شجر پھلے پھولے
نخلِ الفت ہو بار ور یارب
پھر دیارِ نبی کو جاؤں میں
اور پھر دیکھوں تیرا گھر یارب
میری توبہ قبول ہو جائے
کر خطاؤں سے در گزر یارب
یہ دعا ہے کہ میرے عیبوں کی
دوسروں کو نہ ہو خبر یارب
جب بڑھے حد سے تشنگی میری
آبِ کوثر سے لب ہوں تر یارب
نعتِ سرکار اور حمد تری
لکھے جاؤں میں عمر بھر یارب
پیش کرتا رہوں درود و سلام
ان پہ اور ان کی آل پر یارب
تیرا مداح ہے ترا حامدؔ
اپنے حامدؔ پہ فضل کر یارب

(وسیلۂ بخشش، ص ۵۷-۵۸)

غرض یہ کہ انھوں نے حمد و مناجات اور دعا و التماس کو دل کی گہرائیوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ چونکہ یہ دل کی آواز ہیں اس لئے دل پر اثر کرتی ہیں۔ 'دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔' یہی وجہ ہے کہ قاری اور سامع ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ضرور وہ بھی دل کی گہرائیوں سے ان پر آمین کہتا ہے۔

○■○

نعت سرور کائنات ﷺ

تعریف، پس منظر، محرکات مآخذ، آداب ولوازم

نعت ومناقب اسلامی ادب کی سب سے زیادہ محبوب ومقبول اصناف سخن رہی ہیں۔ عالم اسلام میں بولی جانے والی تمام زبانوں میں نعتیہ شاعری پائی جاتی ہے۔ خصوصاً عربی، فارسی اور اردو میں نعتیہ ادب کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا بدنصیب مسلمان شاعر ہوگا جس نے بطور تبرک ہی سہی، چند شعر نعت کے نہ کہے ہوں۔

نعت کے لغوی معنی ہیں تعریف کرنا یا خوبیاں بیان کرنا۔ حافظ ابوموسیٰ جامع الترمذی کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ ''نعت وصف محمود کو کہتے ہیں، وصف کے معنی ہیں کشف و اظہار، شاعرانہ اصطلاح میں وصف کسی چیز کے عوارض اور اس کی خصوصیات نمایاں کرنے کو کہتے ہیں۔ ابن قدامہ کے نزدیک بہترین وصف شعار شاعر وہ ہے جو اپنے اشعار میں ان اوصاف کے بیشتر حصے لائے جن سے موصوف مرکب ہے۔ ابن رشیق وصف کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''بلیغ ترین وصف وہ ہے جو کان کو آنکھ بنادے''۔ مراد یہ ہے کہ موصوف کے اوصاف کا تذکرہ اس انداز سے کیا جائے کہ جیتی جاگتی تصویر اور نقشہ آنکھوں کے سامنے آجائے۔

عام طور سے 'نعت' سے مراد وہ صنف سخن ہے (چاہے وہ غزل کی ہیئت میں ہو یا قصیدے کی، اور عام طور سے یہ غزل کی ہیئت میں ہی ہوتی ہے) جس میں سرور کائنات ﷺ کے اوصاف حمیدہ اور فضائل جلیلہ کا بیان ہو، جس میں آپ کی عزت وعظمت اور آپ سے الفت ومحبت کا اظہار کیا گیا ہو۔

'نعت' کے لفظ کا استعمال سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کیا۔ شمائل

ترمذی کی ایک حدیث میں آپ نے خود کو واصف کے بجائے ناعت کہا ہے۔

ظہور اسلام کے وقت عرب شاعری کے بڑے دلدادہ تھے۔ شاعری ان کی رگ و پے میں بسی ہوئی تھی۔ اسی لئے قرآن کریم کی معجزاتی زبان اور فصاحت و بلاغت سے بھر پور کلام کو وہ شاعری قرار دیتے تھے۔ عربی میں قصیدہ و ہجو کا عام دستور تھا۔ عرب شعراء جس قدر دوستوں کی مدح میں پیش پیش رہتے تھے اسی طرح دشمنوں کی ہجو میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے اور ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ قصیدہ یا مدح شاعر کی زبان سے ادا ہوتے ہی عوام الناس کی زبان پر ہوتی تھی اور ممدوح کے فخر بلکہ غرور کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح ہجو کی صورت میں بے چارہ مذموم کسی کو منھ دکھانے کے قابل نہ رہتا تھا۔ جب اسلام کی ترقی اور وسعت روز افزوں ہوئی تو کفار مکہ نے دیگر بہت سے حربوں کے ساتھ شاعری کا ہتھیار بھی استعمال کیا کیوں کہ یہ اس وقت کا موثر ہتھیار تھا۔ کفار شعراء نے رسول اکرم ﷺ کی ہجو میں زبان طعن دراز کی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کوشش ہوئی کہ کوئی بڑا شاعر مسلمان نہ ہونے پائے کیونکہ وہ اپنی شاعری کے ذریعہ سے تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے سکتا تھا اور قبائل عرب کو اسلام کی طرف مائل کر سکتا تھا۔ اسی لئے جب عرب کے نامور شاعر اعشیٰ نے (اس کا شمار سات بڑے شعراء میں ہوتا تھا اور اس کا کلام خانہ کعبہ میں آویزاں ہوتا تھا) قبول اسلام کا ارادہ کیا تو ابوسفیان نے اسے سو اونٹوں کا لالچ دے کر رسول عربی ﷺ کی ملاقات سے روک دیا۔ کیونکہ سرداران مکہ کو ڈر تھا کہ اگر اعشیٰ مسلمان ہو گیا تو وہ اپنی شاعری کے ذریعہ سے انقلاب برپا کر دے گا اور قبائل عرب کو اسلام سے وابستہ کر دے گا۔

اعشیٰ ایک عمدہ قصیدے کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادے سے روانہ ہو چکا تھا، راستے میں ابوسفیان نے اسے اس شرط پر سو اونٹ پیش کئے کہ وہ نہ اسلام قبول کرے گا اور نہ ہی رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گا۔ عربوں کے لئے سو اونٹ بڑی دولت تھے اسی لئے اعشیٰ کے قدم راہ ہدایت کی طرف بڑھنے سے رُک گئے۔ وہ خوشی میں ان میں سے ایک اونٹ پر سوار ہوا کہ دفعتاً اونٹ نے شوخی کی وہ اس پر سے گر کر ہلاک ہو گیا۔ اسے نہ دولت کا فائدہ پہنچا اور نہ ہدایت و سلامتی کا۔

ابتدائی دور میں شاعری اعلاء کلمۃ الحق اور تبلیغ اسلام کے کام آئی۔ ایک مجاہد کی شان یہ تھی کہ وہ حسب ضرورت لسان اور سنان دونوں سے جہاد کرے اسی کے پیش نظر حضرت حسان بن ثابتؓ نے کہا تھا

نحکم بالقوافی من ھجانا

و نضرب حین تخلیط الدماء

''ہم اشعار کے ذریعہ ان کی ہجو کا دنداں شکن جواب دیتے ہیں اور بوقت جنگ ان کا خون بہاتے ہیں۔''

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے منقول ہے کہ آں حضرت ﷺ نے کفار شعراء کی ہجو کا جواب ہجو کے ذریعہ دینے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ مسلمان شعراء اشعار کے ذریعہ حضور رسالت مآب ﷺ کی مدح اور کفار کی ہجو کرتے تھے۔ یہیں سے نعتیہ شاعری کا آغاز ہوا۔

نعت گوئی کا دوسرا محرک عشق رسالتمآب ﷺ ہے۔ وہ امتی، امتی نہیں بلکہ منافق و بدنصیب ہے جسے آپ سے کسی نہ کسی درجہ میں الفت و محبت نہ ہو۔ مومن کے لئے اللہ و رسول سے محبت کو مذہبا وجوب کا درجہ حاصل ہے۔ فرمان رسالتمآب ﷺ کے مطابق وہ شخص مومن کامل نہیں ہوسکتا جسے آپ کائنات کی ہر ہر چیز سے زیادہ محبوب و عزیز نہ ہوں۔ آپ سے عشق ہی وہ قدر مشترک ہے جو عبد و معبود میں یکساں پائی جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے جگہ جگہ بندوں کو عبادت و حسن اخلاق کی تلقین کی ہے عبادت تو عابد کے لئے ہے معبود کے لئے نہیں لیکن آپ پر درود و سلام کے تعلق سے فرمان الٰہی یہ ہے۔

''ان اللہ و ملائکۃ یصلون عن النبی. یا ایھاالذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما.'' (پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب آیۃ ۵۶)

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان لانے والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجا کرو۔''

اسی لئے ایک مسلمان کا کوئی بھی کام حمد و نعت کے بغیر شروع نہیں ہوتا۔

نعت گوئی کا بنیادی ماخذ خود قرآن کریم ہے۔ جس میں جگہ جگہ آپ کے لئے تعریفی

کلمات موجود ہیں۔آپ کے اوصاف حمیدہ و خصائل جلیلہ کا ذکر ہے۔کہیں آپ کو نور قرار دیا گیا ہے تو کہیں سراج منیر (روشن چراغ) کہیں رحمت اللعالمین بتایا گیا ہے تو کہیں خلق عظیم کا مالک قرار دیا گیا ہے۔کہیں پیار سے مزمل و مدثر اور طٰہٰ ویٰسین کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔کہیں آپ کے شہر مقدس کی قسم کھائی گئی ہے تو کہیں کسی اورادا کو سراہا گیا ہے۔

وہ احادیث مبارکہ بھی نعت کا اہم ماخذ ہیں جن میں آپ نے اپنی صفات و اوصاف بیان فرمائے ہیں۔افضل البشر، خیر البشر، افضل المرسلین، سید المرسلین، خاتم النبین صدہا اوصاف حمیدہ آپ ہی کے ہیں اور یہ سب نعت میں نگینوں کی طرح جڑے جاتے ہیں۔صحابہؓ کرام کے اقوال اور آپ کے معجزات بھی نعت گوئی کا بڑا اہم ماخذ ہیں۔

نعت گوئی جس قدر مقبول و محبوب ہے اسی قدر مشکل بھی ہے۔عرفیؔ نے بجا کہا ہے۔

"عرفیؔ مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحراست
آہستہ کہ رہ برسر تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں گفت بہ یک آہنگ سرودن
نعت شہ کونین و مدیح کے و جم را"

"عرفیؔ جلدی نہ کر۔ یہ رہ نعت ہے، کوئی صحرا نہیں کہ جدھر چاہو چل پڑو۔ آہستہ آہستہ کہ اس راہ پر چلنا تلوار کی دھار پر قدم رکھنا ہے کیونکہ نعت شہ کونین اور کیخسر و وجمشید (ایرانی بادشاہوں کے نام) کی مدح ایک ہی انداز اور سُر تال میں نہیں کی جاسکتی۔"

حقیقت یہی ہے کہ مدح اصحاب دول اور نعت سرور کائنات ﷺ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔مدح رسالتمآب ﷺ واقعی تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے وجہ یہ کہ یہ میدان وسیع بھی بہت ہے اور تنگ بھی بہت۔وسیع اس لحاظ سے کہ ممدوح کے فضائل و مناقب جس قدر بے حد و بے حساب ہوں گے، شاعر کو اسی قدر موضوع کی وسعت ہاتھ آئے گی اور اس کے تخیل کی بلند پروازی کا سامان مہیا ہوگا۔اگر فضائل رسالتمآب ﷺ کو دیکھا جائے تو وہ اس قدر ہیں کہ یہاں تخیل کی بلند پروازی کو بھی کمال ممدوح کے سامنے پسپا ہونا پڑے گا۔الفاظ اور

اشعار ختم ہو جائیں گے لیکن فضائل و کمالات ختم نہ ہوں گے۔

یہ میدان تنگ بھی اسی قدر ہے۔ تنگ اس معنی میں کہ عشق و محبت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ آپ کی مدح میں خوب خوب مبالغہ کیا جائے۔ ادھر ادب و احترام کا تقاضہ یہ ہے کہ قلم جادۂ اعتدال اور حقیقت بیانی سے ہٹنے نہ پائے اس لئے کہ جہاں نعت سرور کائنات ﷺ نجات اخروی، خوشنودی رب و محبوب رب کا ذریعہ ہے، کونین کی کامیابیوں و کامرانیوں کا وسیلہ ہے وہیں ذراسی لغزش قعر مذلت میں دھکیل سکتی ہے۔ خدائے ذوالجلال کے بعد سرور کائنات ﷺ کی ذات پاک افضل ترین اور اعلیٰ ترین ذات ہے۔ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' اس میں حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے۔ اب اگر آپ کی شان اقدس میں مبالغہ کیا جائے تو وہ آپ کو مقام الوہیت پر پہنچا دیگا جو صریح کفر و ضلالت و گمراہی کا باعث ہوگا اسی طرح آپ کی شان میں بولے جانے والے کسی لفظ میں تنقیص کا ہلکا سا عنصر بھی شامل ہوگا تو وہ بھی ہلاکت کے لئے کافی ہے۔

اسی لئے کہا گیا ہے کہ نعت سرور کائنات انتہائی دشوار اور نازک مرحلہ ہے۔ اب یہ شاعر کے تبحر علمی اور کمال فن کا امتحان ہے کہ وہ اس سے کس طرح عہدہ برآ ہوتا ہے۔ یہ نہ عشق و محبت کی داستان ہے کہ جس طرح چاہا بیان کر دی اور نہ کسی بادشاہ کا قصیدہ ہے کہ بے دست و پا اور وظیفہ خوار بادشاہ کو بھی ہفت اقلیم کا شہنشاہ اور مالک بحر و بر قرار دیدیا جائے دراصل یہ ایک ایسے ممدوح کی مدح ہے جس کی بارگاہ میں نہ مبالغہ کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ کذب بیانی۔ یہاں تو حقیقت بیانی اور صدق لسانی کی ضرورت ہے۔

نعت سرور کائنات ﷺ کے لوازم و آداب بہت سخت ہیں۔ موضوع کا احترام اس کا متقاضی ہے کہ نپے تلے الفاظ، خوبصورت انداز، حسن خطاب اور حسن بیان ہو۔ الفاظ پُر شکوہ و با وقار ہوں۔ انداز میں سنجیدگی اور متانت کا التزام ہو۔ شاعر کا قلب عشق مصطفیٰ ﷺ سے لبریز ہو اور وہ جو کچھ کہے اس میں حقیقت بیانی ہو۔ اس سب کے ساتھ اگر نعت ہوگی تو وہ حقیقی نعت ہوگی ورنہ لفظوں کا کھیل اور محض شاعری۔ جسکی پذیرائی دنیا میں بھلے ہی ہو جائے لیکن ممدوح اور خالق ممدوح کے یہاں ہرگز نہ ہوگی۔

حامدؔ امروہوی اور ان کی نعت گوئی کا جائزہ لینے سے یہ یقین ہوتا ہے کہ ان کا قلب محبت مصطفیٰ ﷺ سے لبریز ہے۔ ان کے الفاظ و اشعار دل سے نکلے ہیں اس لئے دل پر اثر کرتے ہیں۔ ان کی نعت گوئی کے چند خاص موضوعات ہیں۔ وہ آپ کے ذکر اور آپ پر درود و سلام کو نہ صرف ضروری سمجھتے ہیں بلکہ بار بار اور مختلف انداز میں اس کی تاکید کرتے ہیں وہ آپ کے اوصاف حمیدہ و خصائل جلیلہ کا خوبصورت انداز میں ذکر کرتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی ان باتوں کو نظم کرتے ہیں جن سے آپ کی عظمت و رفعت ظاہر ہوتی ہے۔ وہ آپ کی یکتائی و بے مثالی اور اختیار و تصرف کا دلکش انداز میں ذکر کرتے ہیں۔ آپ کے شہر مقدس۔ مدینۃ الرسول کے ذرہ ذرہ سے اظہار محبت کرتے ہیں۔ وہاں نہ صرف جانے بلکہ بس جانے کی آرزو کرتے ہیں۔ اس کی طرح طرح سے مدح و توصیف کرتے ہیں۔ وہ صرف ایک بار کی حاضری پر قانع نہیں ہیں بلکہ بار بار جانا چاہتے ہیں۔ مع اہل و عیال جانا چاہتے ہیں بلکہ وہیں بس جانا چاہتے ہیں۔ وہ ان کے اہل بیت اور اصحاب کی مدح کو بھی ان کی مدح سمجھتے ہیں اسلئے ان کی مدح بھی بھرپور انداز سے کرتے ہیں۔

پارہ نمبر ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۵۶ کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ اس خبر کے ساتھ ہی تمام اہل ایمان کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ وہ بھی آپ پر درود و سلام بھیجیں۔ ظاہر ہے فرمان الٰہی کی تکمیل واجبات میں سے ہے اسی لئے اہل محبت بکثرت درود و سلام کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔

درود و سلام کی تاکید اور اس کے فضائل احادیث مبارکہ میں بھی متعدد مقامات پر اور مختلف انداز میں پائے جاتے ہیں۔

(۱) مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی علیہ السلام میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور دس گناہ معاف فرماتا ہے اور دس درجات بلند کرتا ہے۔

(۲) اسی میں یہ ارشاد بھی نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت میں وہ شخص میرے نزدیک ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود بھیجے گا۔

(۳) حضرت عمر فاروق سے روایت ہے کہ دعائیں آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتی ہیں اگر ان کے ساتھ درود نہ پڑھا جائے۔ اسی لئے یہ تاکید ہے کہ دعا کے اول و آخر میں درود ضرور پڑھا جائے۔

(۴) مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی علیہ السلام میں ہی حضرت ابی بن کعبؓ کی ایک حدیث نقل ہوئی ہے۔ انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میں کس قدر درود شریف آپ پر بھیجا کروں؟ فرمایا۔ جس قدر چاہو۔ عرض کیا کہ تین حصے میں دیگر وظائف اور دعاؤں کے لئے اور ایک چوتھائی وقت درود شریف کے لئے مختص کر دوں؟ فرمایا۔ جتنا چاہو۔ اگر درود اور زیادہ کر دو تو بہتر ہے۔ عرض کیا کہ نصف وقت درود کے لئے وقف کرتا ہوں۔ پھر فرمایا جتنا چاہو، اگر درود اور زیادہ کر دو تو بہتر ہے۔ عرض کیا کہ اچھا دو تہائی اوقات درود کے لئے اور باقی دیگر کے لئے۔ فرمایا۔ جس قدر چاہو مگر درود اور زیادہ کر دو تو بہتر ہے۔ عرض کیا تو پھر تمام وقت درود شریف ہی پڑھا کروں گا۔ اس پر ارشاد مبارک ہوا۔ اگر ایسا کرو گے تو تمھارے سارے رنج و غم کو یہی کافی ہوگا اور تمھارے گناہوں کو مٹا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے صرف درورد سلام کا ہی حکم نہیں دیا بلکہ یہ خبر بھی دی ہے:

"ورفعنا لک ذکرک" (پارہ نمبر ۳۰ سورہ الم نشرح آیۃ نمبر ۴)

ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آج کرۂ ارض کے ہر حصے میں مساجد موجود ہیں اور اختلاف اوقات کی وجہ سے ہر وقت کسی نہ کسی جگہ اذان ہو رہی ہے۔ آپ کی رسالت کی شہادت دی جا رہی ہے اور آپ کے ذکر کو بلند کیا جا رہا ہے۔

نعت خوانی ہو یا درود و سلام کی کثرت، سیرت و مغازی کا ذکر ہو یا احادیث پڑھی جا رہی ہوں۔ منثور خراج عقیدت ہو یا منظوم۔ سبھی آپ کے ذکر مبارک کو بلند کرنے کا ذریعہ ہیں۔ آپ کو یاد کرنے، آپ کے حضور سر نیاز خم کرنے کا طریقہ ہیں اور یہی اہل محبت ہر وقت کرتے رہتے ہیں۔

نعت بجائے خود آپ کا ذکر ہے لیکن جناب حامدؔ نے اس ذکر میں بھی آپ کے ذکر،

آپ کی یاد، آپ کے حضور درود وسلام کے نذرانے پیش کرنے کی بار بار تاکید کی ہے اور اس کے ذریعہ عقیدت ومحبت کے نذرانے پیش کئے ہیں۔

"زندگی یوں تمام کیجئے گا
ذکر خیرالانام کیجئے گا
نعت کا اہتمام کیجئے گا
ان کا پیغام عام کیجئے گا
جو خدا کا ہے کام کیجئے گا
فکر عقبیٰ کی ہے اگر دل میں
ذکر کا اہتمام کیجئے گا"

(وسیلۂ بخشش، ص۶۹-۷۰)

کبھی اس طرح تاکید کرتے ہیں۔

"غلامو! سلام عرض کرتے رہو
کبھی تو جواب سلام آئے گا"

(وسیلۂ بخشش، ص۸۲)

ان کی اپنی آرزو یہی ہے۔

شام و سحر ان کی باتیں ہوں
ذکر کروں روز و شب ان کا

(وسیلۂ بخشش، ص۱۰۴)

بھیج کر ان پہ درود اور سلام
اپنے خالق کا کہا کیوں نہ کریں
ذکر میلاد نبی سے حامد
اپنے ایماں کی جلا کیوں نہ کریں

(وسیلۂ بخشش، ص۱۱۳)

وہ اپنا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ہر دم ان کا ذکر ہو، لب پر ان کی باتیں ہوں
یاد نبی میں ایسے جینا اچھا لگتا ہے

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۲۳)

نبی کا نام ہی میرے لئے ہے فرحت روح
نبی کے ذکر سے دل باغ باغ ہوتا ہے

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۳۵)

وہ اپنی زندگی سے ان لمحات کو خارج کر دینا چاہتے ہیں جو ذکر مصطفیٰ ﷺ سے خالی رہے ہوں۔

منور جو نہ ہوں یاد نبی سے
نکل جائیں وہ لمحے زندگی سے

(وسیلۂ بخشش، ص ۷۳)

ان کی آرزو یہ ہے۔

بس ان کا تذکرہ ہو فقط ان کا تذکرہ
میری کتاب زیست کا کوئی بھی باب ہو

(وسیلۂ بخشش، ص ۷۹)

اسی لئے وہ سب سے یہی چاہتے ہیں۔

"اے گنہ گارو ! کرو احمد مختار کی بات
درد عصیاں کی دوا ہے مرے سرکار کی بات"

(مدحت کے پھول، ص ۱۷۵)

وجہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر وجہ طمانیت وتقویت ہے، راحت قلب، آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے پھر کون بد نصیب ان نعمتوں سے منہ موڑے گا۔ اہل ایمان اور اہل محبت تو یہی کرتے ہیں اور یہی پاتے ہیں۔

"یاد حق سے سکون ہے دل کو
تقویت ذکر مصطفیٰ سے ہے"

(وسیلۂ بخشش، ص ۷٦)

ذکر ان کا ہر ذکر سے بہتر
پیاری باتیں پیارے نبی کی

(خیابان ارم، ص ٦۷)

✪ اللہ بے مثل و یکتا ہے اس لئے اس کے آخری رسول اور محبوب کو بھی لاثانی، بے مثال، یکتا اور یگانہ ہونا چاہیئے۔ اسی لئے اللہ نے اپنے حبیب کو تمام خوبیوں اور اوصاف حمیدہ سے متصف کیا ہے۔ قرآن کریم میں آپ کے اوصاف و خصائل بیان کئے گئے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں بھی آپ کی بے مثالی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ صحابہ کرام نے آپ کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ اصحاب السیر و تاریخ اور شعراء وادباء نے اپنے اپنے انداز میں آپ کی یکتائی و بے مثالی کا اظہار کیا ہے۔ بالیقین آپ جیسا نہ آپ سے پہلے ہوا اور نہ آپ کے بعد ہونے والا ہے۔ آپ کی نظیر محال ہے۔ اسی کو اصطلاحاً امتناع النظیر کہا جاتا ہے۔ اس خیال کو حامدؔ امروہوی نے طرح طرح سے نظم کیا ہے۔

ان سا نہ ہوا کوئی ان سا نہ کوئی ہوگا
اللہ رے یکتا کے محبوب کی یکتائی

(خیابان ارم، ص ۹۷)

ثانی مرے سرکار کا دیکھا نہیں کوئی
ہیں نور خدا، نور کا سایا نہیں کوئی

(مدحت کے پھول، ص ۱۵۲)

کوئی نہیں ہے، کوئی نہیں ہے، ان کا ثانی کوئی نہیں
آقا کے عشاق کا دعویٰ کل بھی تھا اور آج بھی ہے

(خیابان ارم، ص ۱۰۳)

آپ کی مثل جب کوئی خلق کیا گیا نہیں
آپ کی لائے پھر کوئی کیسے مثال یا نبی

(وسیلۂ بخشش، ص ٦٦)

ان جیسا تو خالق نے کیا ہی نہیں تخلیق
سرکار کے بعد اور نہ سرکار سے پہلے

(وسیلۂ بخشش، ص ٨٧)

یہ بتائیں ذرا تاریخ کے پڑھنے والے
کیا کسی دور میں ثانی کوئی آیا ان کا

(وسیلۂ بخشش، ص ١٠٦)

ہم لوگ نام لیوا ہیں ایک لاجواب کے
ممکن نہیں جہاں میں ہمارا جواب ہو

(وسیلۂ بخشش، ص ٧٩)

ایمان کی کہتا ہوں کہ ایمان یہی ہے
بس بعد خدا آپ ہیں تنہا مرے آقا

(وسیلۂ بخشش، ص ١٢٢)

آپ جیسا کوئی نہیں آیا
دست قدرت کے شاہکار ہیں آپ

(وسیلۂ بخشش، ص ١٢٧)

کوئی سرکار تم جیسا نہیں ہے
کہاں ثانی، جہاں سایا نہیں ہے

(خیابان ارم، ص ٣٤)

خدا یکتا ہے تو محبوب اس کا کیوں نہ یکتا ہو
کوئی ان سا ہوا ہے اور نہ ہوگا بزم امکاں میں

(خیابان ارم، ص ٤٣)

ہم سے لاکھوں ہیں جس طرف دیکھیں
آپ جیسا کہاں سلامٌ علیک

(خیابان ارم، ص ۳۰)

ان کا ثانی کون، ان کی بات ان کی بات ہے
شافع محشر ہیں وہ بے مثل ان کی ذات ہے

(خیابان ارم، ص ۶۹)

ہے لقب جن کا محبوب حق
ان کا ثانی کہاں مل سکے

(مدحت کے پھول، ص ۱۵۷)

ایک بھی آپ سا نہیں ان میں
یوں تو قدرت کے شاہکار بہت

(وسیلۂ بخشش، ص ۹۹)

ان سا کوئی پائے کیسے
ثانی کوئی ہے کب ان کا

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۰۵)

✪ اللہ تعالیٰ نے تمام جن وانس و ملائکہ، انبیاء ومرسلین کے مقابلہ میں اور کل کائنات میں اپنے محبوب کو مقام بلند پر فائز کیا ہے اور انھیں درجات عالیہ عطا فرمائے ہیں۔ ہر جگہ اپنے نام کے ساتھ ان کے نام کو بھی رکھا ہے۔ وہ افضل المرسلین ہیں، خاتم النبین ہیں، افضل البشر ہیں، خیر البشر ہیں اور بعد از خدا بزرگ تر ہیں لیکن بدقسمتی سے ہر دور میں ایسے بدنصیب و بد باطن بھی ہوتے رہے ہیں جو آپ کی تنقیص شان کے درپے رہتے ہیں۔ کبھی توحید کے علمبردار بن کر شان رسالت کو گھٹانے کی سعی ناکام کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ آپ صرف ایک پیغامبر تھے اللہ کا پیغام پہنچانا آپ کی ذمہ داری تھی۔ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے بعد آپ کی ذمہ داری ختم ہوگئی، آپ کا کام ختم تو آپ کا مقام بھی ختم (معاذ اللہ)۔ کبھی کہتے ہیں کہ وہ بھی

ہمارے جیسے بشر تھے اور ثبوت میں قرآنی آیت "قل انما انا بشر مثلکم" پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت کا اگلا حصّہ آپ کے مقام رفیع کو ظاہر کر رہا ہے۔ مگر وہ انھیں نظر نہیں آتا یا اسے نظر انداز کرتے ہیں۔ "یُوحیٰ اِلیَّ" یعنی مگر مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اب آپ سے پانچ سو سال پہلے اور آج آپ کے پندرہ سو سال بعد کون ایسا بشر ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے اور اگر کسی نے ایسا دعویٰ کیا تو اسے کذاب ہی سمجھا گیا۔ اب جو آیت مقدسہ آپ کی عظمت و شان کو ظاہر کر رہی ہے اسی کو بد باطن لوگوں نے تنقیص شان کا ذریعہ بنا لیا ہے اور اس کے صرف ایک حصّہ کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔

دراصل اس کی ضرورت اور شان نزول یہ ہے کہ اہل مکہ تعجب سے کہتے تھے کہ یہ کیسے نبی و رسول ہیں جو ہم جیسے انسان ہیں۔ کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، خوشی و غم کا احساس کرتے ہیں؟ اصل میں ان کا خیال یہ تھا کہ اللہ کے رسول کو عام انسانوں سے الگ اور مافوق الفطرت ہونا چاہئے۔ اس اعتراض کا سامنا دوسرے انبیاء و مرسلین کو بھی کرنا پڑا تھا اور انھوں نے بھی جواباً یہی کہا تھا کہ ہاں میں تم ہی جیسا انسان ہوں مگر مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے، اللہ کا پیغام اور اس کی ہدایات آتی ہیں اور وہ تم تک پہنچانا اور تمھیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرنا میرے ذمہ ہے۔

یہی بات سرور کائنات ﷺ کی زبان مبارک سے بھی کہلوائی گئی مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ یعنی بشر ہونے میں تو میں اور تم برابر ہیں لیکن مجھ پر وحی کا نزول میرے اور تمھارے درمیان خط امتیاز کھینچ دیتا ہے اور میں بشر ہوتے ہوئے بھی تم سے بہت بلند، ارفع و اعلیٰ ہو جاتا ہوں۔ بادشاہ اور رعایا امیر و فقیر، عالم و جاہل سبھی بشر ہوتے ہیں لیکن بادشاہ، امیر اور عالم اپنے وصف خاص کی بنا پر دوسرے بشر سے ارفع و اعلیٰ ہو جاتے ہیں اسی طرح انبیاء و مرسلین بھی دوسرے تمام لوگوں سے افضل و بزرگ تر ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کی رہنمائی و ہدایت کا فریضہ کوئی انسان ہی ادا کر سکتا تھا۔ جن، فرشتہ یا کوئی اور مافوق الفطرت مخلوق نہیں، کفر و شرک کی آلودگی میں پڑے ہوئے کم سواد لوگوں کی یہی بات کبھی سمجھ میں نہیں آئی کہ بشر کی ہدایت و رہنمائی کے لئے بشر کو ہی مقرر کیا

[illegible]

جاتے کا کہ ان ... دوسرے کسی بھی بشر سے بہت برتر اور بزرگ مقام پر فائز ہوتا ہے۔
رسول اکرم ﷺ بھی بشر تو ہیں مگر برتر، بزرگ تر، اعلیٰ تر اور مقام رفیع پر فائز بشر ہیں۔ بے شک وہ خدا نہیں ہیں لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہیں۔ اللہ نے انھیں اپنے فضل خاص سے نوازا ہے۔ ان کی محبت کو اپنی محبت اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ اسی لئے اہل دل اور اہل محبت ہمیشہ یہی کہتے رہے ہیں۔

''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''

حامد امروہوی نے ایسے تمام لوگوں کے خلاف قلمی جہاد کیا ہے جو تنقیص شان کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ان کے متعدد اشعار مندرجہ بالا نظریے کے حامی و موئد ہیں۔ وہ آپ کی محبت کو جزو ایمان ہی نہیں اصل ایمان سمجھتے ہیں۔ دیکھئے

''جس میں میرے آقا کی محبت نہیں ہوگی
ایمان کی اس دل میں حرارت نہیں ہوگی''

(مدحت کے پھول، ص۱۷)

جو معترف عظمت سرکار نہیں ہے
اس آئینہ دل میں ہمیں بال لگے ہے

(مدحت کے پھول، ص۱۷۱)

جو حبیب خدا سے دور رہے
اس پہ فضل خدا نہیں ہوتا

(خیابان ارم، ص۲۹)

اطاعت شہ دین ہی تو طاعت حق ہے
جو مصطفیٰ کا نہیں ہے تو پھر خدا کا نہیں

(وسیلۂ بخشش، ص۱۲۶)

حق سے کہا رہا منکر سرکار
مصطفیٰ سے الگ خدا سے الگ

(وسیلۂ بخشش، ص۱۱۲)

کوئی گھٹائے تو وہ گھٹیں کیا
ان کو بڑھاتا ہے رب ان کا

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۰۵)

بہکا دیا خرد نے تو بس کہہ دیا بشر
کی رہ بری جنوں نے تو نور خدا کہا

(خیابان ارم، ص ٦٦)

مجھے تسلیم وہ بندے ہیں لیکن
مگر ان سا کوئی بندا نہیں ہے

(خیابان ارم، ص ۳۴)

کبھی حامدؔ ہوئی نہ رب کی رضا
اپنے محبوب کی رضا سے الگ

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۱۲)

✪ بایقین کوئی بھی شخص رسول اکرم ﷺ کے واسطے اور وسیلہ کے بغیر، آپ کو بائی پاس کر کے اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کا عرفان حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی کے پیش نظر حامدؔ کہتے ہیں۔

ایسا تو کائنات میں کوئی نہیں ملا
جو ہو نبی سے دور خدا سے قریب ہو

(وسیلۂ بخشش، ص ۸۴)

جس طرح عرفان ذات خداوندی حاصل کرنے کے لئے عرفان نبی اور ان کا واسطہ ووسیلہ ضروری ہے اسی طرح عرفان نبی کے لئے صحابہ کرام، اہل بیت عظام اور اولیائے امت کا عرفان اور واسطہ ووسیلہ ضروری ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر وہ کہتے ہیں۔

''اگر نگاہ میں اکرام اولیاء کا نہیں
کسی طرح بھی وہ محبوب کبریا کا نہیں''

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۲٦)

[illegible]

[illegible] کے ساتھ [illegible] صاحب نے اپنے ممدوح، [illegible] ہیں۔ ان کے مقام رفیع کو پیش کیا [illegible]

شمس الضحیٰ کہا کبھی طٰہٰ کہا گیا
آقا کو میرے پیار سے کیا کیا کہا گیا

(خیابان ارم، ص ۳۷)

کہا مظہر انظام جہاں ان کے نام ہیں
شمس الضحیٰ کہا انہیں بدر الدجیٰ کہا

(خیابان ارم، ص ۶۵)

آپ انیس بے کساں، آپ شفیع عاصیاں
آپ کی ایک ذات میں اتنے کمال یا نبی

(وسیلۂ بخشش، ص ۶۵)

محبوب خدا، ختم رسل، شافع محشر
دیکھا تھا کوئی کیا شہ ابرار سے پہلے

(وسیلۂ بخشش، ص ۸۷)

وہ جو ہیں احمد و محمود و محمد حامد
ان کے اوصاف کی کرتی ہے وضاحت معراج

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۰۳)

شافع محشر، ساقی کوثر
حشر میں ہوگا منصب ان کا

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۰۵)

محبوب خدا نور سراپا مرے آقا
کیا سمجھے کوئی آپ کا رتبہ میرے آقا

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۲۱)

✪ "وما ارسلنک اِلّا رحمته اللعالمین" ارشادِ خداوندی ہے جس میں کسی کے لئے بھی چوں و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔ بے شک آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اسی لئے حامدؔ کہتے ہیں۔

"وہی یہاں کے لئے ہیں وہی وہاں کے لئے
حضور باعث رحمت ہیں دو جہاں کے لئے"

(مدحت کے پھول، ص ۷۷)

انبیاء و رسل مخلوق میں سب سے افضل ہیں اور ان میں فخر رسل، فخر نبی آدم سب سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اسی کے پیش نظر کہتے ہیں۔

ساری مخلوق سے افضل ہیں رسولان کرام
اور ان سب میں نمایاں ہیں رسول عربی

(جو یبار بخشش، ص ۴۶)

شفیع محشر، قسیم کوثر لقب ہیں کس کے لقب تمھارے
جو بخشوائے گا حشر کے دن بجز تمھارے کوئی نہیں ہے

(مدحت کے پھول، ص ۱۲۷)

کون آیا تم سے بڑھ کر، تم شفیع روز محشر
مصطفیٰ تم، مجتبیٰ تم، بعد حق تم سب سے بہتر

(مدحت کے پھول، ص ۴۶)

باعث ارض و سما تم ، ابتدا تم انتہا تم
ذات حق کا آئینہ ہو، مظہر نور خدا تم

(مدحت کے پھول، ص ۴۷)

✪ "لا یمکن الثنا کما کان حقہٗ" (آپ کی مدح و ثنا کا جو حق ہے وہ ادا کرنا ناممکن ہے) یہ کہہ کر بھی شعرو ادباء، مورخین و مصنفین نے اپنے عجز کا اظہار کیا ہے حامدؔ کو بھی یہ یقین ہے کہ آپ کے مقام یعنی مقام رفیع تک کسی کی رسائی نہیں ہے خود زبان رسالتمآب ﷺ نے

ایک موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے کہا تھا:

یا ابا بکر لَم یَعرفنی حقیقتی غیر ربی.

''اے ابوبکر! میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

اسی لئے تو غالب نے کہا تھا۔

'غالبؔ ثناء خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کہ آں ذات پاک مرتبہ دان محمد است'

''غالب ثنائے خواجہ کو خدا پر ہی چھوڑتے ہیں کیونکہ وہی ذات پاک محمد ﷺ کے مرتبہ کو سمجھتی ہے۔''

اسی کے پیش نظر میرؔ افق کاظمی نے کیا خوب کہا ہے۔

'بیاں ثنائے محمد ہو کیا ثنا کی طرح
کہ جانتا نہیں کوئی انھیں خدا کی طرح'

خود آپ کے والد محترم حضرت روفؔ امروہوی کہتے ہیں۔

''میری نہ یہ مجال ہے، میرا نہ یہ مقام ہے
نعت حبیب کبریا صرف خدا کا کام ہے''

(کوثر رحمت، ص ۷۹)

صفت اس صاحب لولاک کی ممکن نہیں ہم سے
خدا خود مدح خواں ہے جس کی صورت جس کی سیرت کا

(نکلخہ محامد، ص ۳۴)

لکھوں کیا وصف شاہ انس و جاں سے زباں اللہ کی لاؤں کہاں سے
نہ لکھنے کی قلم میں میرے طاقت نہ کہنے کا مجھے یارا زباں سے

(نکلخہ محامد، ص ۸۶)

حامد کو بھی احساس ہے اور وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ آپ کے مقام رفیع تک کسی کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ یہ فہم وادراک سے بالاتر ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں۔

فہم و ادراک کی انساں کے رسائی معلوم
آج تک کوئی نہ سمجھا جو مقام ان کا ہے

(مدحت کے پھول، ص ۸۳)

جانتا ہوں حدیں فہم و ادراک کی
فہم و ادراک سے ماوریٰ آپ ہیں

(مدحت کے پھول، ص ۱۲۸)

ختم ہوتی ہے جہاں سرحد فہم و ادراک
اس سے آگے ہے کہیں نقش کف پا تیرا

(مدحت کے پھول، ص ۵۷)

صفت ان کی حامدؔ بے نوا جو بیاں کرے بھی تو کیا کرے
کوئی آج تک نہ سمجھ سکا جو نبی کا عزو وقار ہے

(مدحت کے پھول، ص ۱۱۰)

✪ "لولاک لما خلقت الافلاک"۔ مشہور حدیث پاک ہے جس میں آپ نے اللہ تبارک تعالیٰ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ اگر آپ کی تخلیق مقصود نہ ہوتی تو یہ افلاک و کائنات نہ بنائے جاتے۔ آپ ہی وجہ کائنات ہیں، باعث تخلیق دو عالم ہیں۔ اس حدیث پاک کے مفہوم کو حامدؔ صاحب نے مختلف اشعار مین اور مختلف انداز میں نظم کیا ہے۔

تخلیق دو عالم ہے صدقہ مرے آقا کا
بس ایک حقیقت ہے افسانے ہزاروں ہیں

(مدحت کے پھول، ص ۱۶۶)

باعث عالم امکاں ہیں رسول عربی
قصۂ زیست کا عنواں ہیں رسول عربی

(مدحت کے پھول، ص ۷۲)

آسمان و زمیں آپ سے ہیں
اور ان کے مکیں آپ سے ہیں
اس میں وہم وگماں کا ذکر نہیں
بالیقیں، بالیقیں آپ سے ہیں

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۲۷)

باعث ایجاد عالم آپ پر لاکھوں درود
قصۂ ہستی کے عنواں الصلوٰۃ و السلام

(وسیلۂ بخشش، ص ۶۴)

گلشن دو عالم کی سب بہاران سے ہے
زینت چمن وہ ہیں، جان گلستاں وہ ہیں

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۰۹)

وجہ کون و مکاں آگئے
صدر بزم جہاں آگئے
رونق دو جہاں کیوں کہوں
باعث دو جہاں آگئے

(مدحت کے پھول، ص ۵۲)

رونق صبح و شام کیا معنی
باعث صبح و شام ہیں آقا

(جو یبار بخشش، ص ۵۶)

باعث کن فکاں مرے آقا
رونق دو جہاں مرے آقا

(خیابان ارم، ص ۹۱)

باعث کن فکاں بھی ہو، شافع عاصیاں بھی ہو
کوئی ہمیں بتائے تو، ایسا ہوا کوئی نبی؟

(مدحت کے پھول، ص۱۵۴)

✪ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر آپ کی اطاعت و پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے:

مَن یُطِعَ الرَسُول فقد اَطَا ع اللہ.

''جس نے رسول کی اطاعت کی، دراصل اس نے خدا ہی کی اطاعت کی۔''

اس حقیقت کو حامد صاحب نے اس طرح شعری جامہ پہنایا ہے۔

کوئی کچھ بھی کہے لیکن مرا ایمان ہے یہ
تیرے محبوب کی طاعت ہے، اطاعت تیری

(خیابان ارم، ص۲۵)

✪ قرآن کریم کی آیت مبارکہ ہے:

لقد من اللہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولاً مِن انفسھُم.

''ہم نے مومنین پر یہ احسان فرمایا ہے کہ انھیں میں سے ایک کو اپنا رسول بنایا ہے۔''

اسی کے پیش نظر جناب حامد اللہ کے مشکور ہوتے ہوئے کہتے ہیں۔

اپنے محبوب کو بھیجا ہے ہدایت کے لئے
ہم گناہ گاروں یہ کتنی ہے عنایت تیری

(خیابان ارم، ص۲۵)

✪ ''انما انا قاسم و اللہ معطی'' ۔اللہ عطا فرمانے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں مشہور حدیث پاک ہے درحقیقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی کائنات میں بڑا تصرف اور اختیار عطا فرمایا ہے۔ اسی لئے آپ کو احمد مختار اور رسول مختار کہا جاتا ہے۔ آپ کے اختیارات بے شمار ہیں۔ کائنات آپ کے دست تصرف میں ہے۔ آپ جسے چاہیں عطا فرمائیں، جتنا چاہیں عطا فرمائیں آپ کے اس اختیار بے پناہ اور تصرف بے شمار کو حامد نے اپنے اشعار میں

طرح طرح سے پیش کیا ہے۔

حق نے مختار کیا ہے ان کو
جس کو جو چاہیں عطا کیوں نہ کریں

(وسیلۂ بخشش، ص۱۱۴)

حق کی جانب سے دونوں عالم میں
آپ مختار عام ہیں آقا

(مدحت کے پھول، ص۸۵)

کونین میں جو کچھ ہے، سب ان کے تصرف میں
ہے عرش و زمیں کوچہ، فردوس ہے انگنائی

(خیابان ارم، ص۹۷)

خدا نے ان کو مالک کر دیا ہے
جسے جو کچھ ملا ان سے ملا ہے

(مدحت کے پھول، ص۸۱)

عرش و کرسی ہی یہ موقوف نہیں اے حامدؔ
جو بھی کچھ کون و مکاں میں ہے تمام ان کا ہے

(مدحت کے پھول، ص۸۴)

ہے لقب جن کا احمد مختار
ہو نہ کیوں ان کو اختیار بہت

(وسیلۂ بخشش، ص۹۹)

دونوں عالم کے خزانے دے دیئے تم کو خدا نے
جو تمھارا مرتبہ ہے کون سمجھے کون جانے

(مدحت کے پھول، ص۴۶)

سید و سردار ہو تم، احمد مختار ہو تم
ہم بھٹک سکتے نہیں قافلہ سالار ہو تم

(مدحت کے پھول، ص۴۶)

اہل محبت قاسم دو جہاں سے سب کچھ طلب کرتے ہیں لیکن اہل نظر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وہ دربار گہر بار ہے جس میں بے طلب ہی ملتا ہے۔ یہاں مانگنے کی بھی ضرورت نہیں۔ ایسے دربار سے وابستگی اور قاسم دو جہاں کے دست عطا کے ہوتے ہوئے بھلا کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور دست سوال دراز کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ حامدؔ بھی یہی سمجھتے ہیں اور بجا سمجھتے ہیں اس لئے تو کہتے ہیں۔

واقف ہیں آپ خود ہی مرے حال بتاہ سے
میں کیوں کہوں زبان سے کیا چاہئے مجھے

(مدحت کے پھول، ص۹۶)

یہ وہ در ہے جہاں ملتا ہے بے مانگے ہوئے سب کچھ
ارے ناداں! یہاں دامن کو پھیلایا نہیں کرتے

(مدحت کے پھول، ص۱۰۶)

جو وابستہ ہیں ان کے دامن دولت سے اے حامدؔ
کسی کے سامنے وہ ہاتھ پھیلایا نہیں کرتے

(مدحت کے پھول، ص۱۰۷)

میں کسی اور سے مانگوں ترے ہوتے آقا
یہ گوارا نہ ہوا ہے، نہ گوارا ہوگا

(مدحت کے پھول، ص۱۱۳)

اسی لئے ان سے کرم بے حساب طلب کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی شفاعت کے بغیر نجات ممکن نہیں۔

بے حد گنہ گار ہوں، بے حد گنہ گار
مجھ پر مرے حضور کرم بے حساب ہو

(وسیلۂ بخشش، ص ۷۷)

✪ عاشق کو اپنے محبوب کا شہر اور اس کے گلی کوچے بھی محبوب ہوتے ہیں وہ اس کے ذرے ذرے سے محبت کرتا ہے، اس کے طواف کرتا ہے، اس کی طرح طرح سے مدح وثنا کرتا ہے، اسے اپنی جنت سمجھتا ہے۔ اس کے ذروں کو بھی آفتاب و مہتاب سے زیادہ روشن وتابناک قرار دیتا ہے۔ وہاں بار بار جانا اور رہنا بلکہ وہیں بسنا چاہتا ہے۔ اس کے شب وروز کو حاصل زندگی سمجھتا ہے۔ اس کے کانٹوں کو بھی پھولوں سے زیادہ خوبصورت اور نرم و نازک سمجھتا ہے۔ اس کی خزاں کو بھی دوسرے خطے کی بہاروں پر ترجیح دیتا ہے بلکہ اسے سراپا بہار اور سدا بہار قرار دیتا ہے۔ حامد نے ان موضوعات پر صدہا اشعار کہے ہیں اور منقبت مدینہ کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے بقول،

جس کے سننے سے دل نہیں بھرتا
وہ مدینے کی بات ہوتی ہے

(خیابان ارم، ص ۶۱)

زندگی کا فقط سوال نہیں
موت بھی چاہئے مدینے کی

(خیابان ارم، ص ۵۳)

ماہ طیبہ کی چمک کا تو ٹھکانا کیا ہے
خاک طیبہ کے تو ذرے بھی ضیاء دیتے ہیں

(مدحت کے پھول، ص ۱۲۹)

دن اگر ہیں تو دن مدینے کے
اور راتیں وہیں کی راتیں ہیں

(خیابان ارم، ص ۸۱)

پوچھا جو کسی نے کیا جنت کا تصور ہے
آنکھوں میں مدینے کی تصویر ابھر آئی

(خیابان ارم، ص۹۹)

جنت کا مجھے کوئی تصور ہی نہیں ہے
میرے لئے جو کچھ ہے، مدینے کی زمیں ہے

(مدحت کے پھول، ص۱۷۳)

اس سے یہ کہہ دو کہ وہ جا کر مدینے میں رہے
جو یہ کہتا ہے اسے دنیا میں جنت چاہئے

(مدحت کے پھول، ص۱۱۷)

آپ کا شہر آپ کی گلیاں
رشک باغ جناں مرے آقا

(خیابان ارم، ص۹۲)

مدینے سے بہاریں نام جانے کا نہیں لیتیں
یہاں جو پھول کھلتے ہیں وہ مرجھایا نہیں کرتے

(مدحت کے پھول، ص۱۰۸)

دیکھنے والے کی آنکھوں میں بسی ہیں جنتیں
جس نے دیکھا ہے مدینہ تم اسے دیکھا کرو

(مدحت کے پھول، ص۱۶۳)

فردوس بریں مانا کہ فردوس بریں ہے
لیکن وہ مدینے کے برابر تو نہیں ہے

(مدحت کے پھول، ص۱۷۳)

حاصل دو جہاں کیوں مدینہ نہ ہو
باعث دو جہاں جب مدینے میں ہے

(جو یبار بخشش، ص۱۹۸)

بتاؤں کہ کیا ہیں مدینے کی گلیاں
مرا مدعا ہیں مدینے کی گلیاں
کسی کی ہیں چشم تمنا کا مرکز
کسی کی دعا ہیں مدینے کی گلیاں
مریضان الفت چلے آرہے ہیں
کہ دارالشفا ہیں مدینے کی گلیاں

(وسیلۂ بخشش، ص۸۹)

مدینے کے کوچے مدینے کی گلیاں
ہیں روشن رہ کہکشاں سے زیادہ
دیار نبی پھر دیار نبی ہے
کہاں نور حق ہے یہاں سے زیادہ

(وسیلۂ بخشش، ص۱۳۷)

جو قرینے کی بات کرتے ہیں
وہ مدینے کی بات کرتے ہیں
دل کو کیسا سکون ملتا ہے
جب مدینے کی بات کرتے ہیں

(وسیلۂ بخشش، ص۶۷)

اگر خوش بختی سے مدینہ منورہ میں حاضر ہونے کا موقع مل جائے تو اس وقت معاً یہ اہم سوال درپیش ہوتا ہے کہ کیا اس مقدس سرزمین پر اپنے قدم رکھے جا سکتے ہیں؟ اس پر چلا جا سکتا ہے۔ ایک عاشق صادق (اعلیٰحضرت فاضل بریلویؒ) نے تو سوئے حرم جانے والے کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

حرم کی زمین اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

حامدؔ بھی اس موقع پر کسی ''ہوشیار'' سے رجوع کرنا چاہتے ہیں۔

کیا طیبہ کی گلیوں میں قدم رکھ کے چلیں گے
آؤ چلو پوچھیں کسی ہوشیار سے پہلے

(وسیلۂ بخشش، ص۸۸)

✪ یوں تو ہر ایک مسلمان کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ اسے زیارت حرمین شریفین نصیب ہو، وہ روضہ مقدسہ کے دیدار پُرانوار اور سبز گنبد کے نظارے سے اپنے قلب ونظر کے سرور کا سامان مہیا کرے۔ رسول پاک کے مقدس شہر کے گلی کوچوں کی سیر کر کے اپنی خوش بختی پر نازاں ہو۔ عشاق رسول کے یہاں یہ جذبہ اپنی پوری شدت وحدت کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ وہ اس شہر مقدس کے دیدار کے لئے تڑپتے ہیں، اس کے ہجر میں بے چین و بے قرار رہتے ہیں۔ اس کے دیدار کی آرزو کو ہر وقت تروتازہ رکھتے ہیں۔ اس کے لئے جتن کرتے ہیں۔ اسباب و وسائل مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن کی یہ آرزو برآتی ہے وہ اپنی خوش بختی پر نازاں ہوتے ہیں لیکن ہجراں نصیب امید وبیم کے عالم میں اس تمنا کی پرورش کرتے رہتے ہیں، اسے ہر دم جوان رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی پُر امید ہوتے ہیں اور کبھی نا امید۔ کبھی اس کے لئے التجائیں ودعائیں کرتے ہیں تو کبھی حرف شکایت زبان پر لاتے ہیں۔ ان مختلف کیفیات سے بہت سے لوگ گزرتے ہیں۔ البتہ شاعر اپنے زور قلم سے اسے مزید جاندار بنا دیتا ہے، الفاظ کا جامہ پہنا کر دلکش بنا دیتا ہے۔

جناب حامدؔ کی نعت گوئی کا یہ ایک اہم زاویہ ہے۔ انھوں نے نہ صرف مدینہ منورہ کی تعریف وتوصیف کی ہے، اسے جنت اور اس سے بھی بڑھ کر مانا ہے۔ وہاں جانے رہنے اور بسنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے حسرت دیدار کو بڑے ہی جوش وخروش اور شدت وحدت کے ساتھ پیش کیا ہے اور ہجر و آرزو کی مختلف کیفیات کو بڑی خوبی کے ساتھ نظم کیا ہے۔ انھوں نے اپنے اشعار میں اس کے لئے دعائیں والتجائیں بھی کی ہیں۔ واسطے اور وسیلے بھی پیش کئے ہیں۔ اپنی محرومی وناکامی پر کف افسوس بھی ملے ہیں۔ اسباب و وسائل کی کمی کے باوجود وہ حاضری وزیارت کو ان کی نظر عنایت کے سبب ممکن وسہل ہی نہیں معمولی بات سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں۔

میں بھی طیبہ کو چلا جاؤں، یہ مقدور نہیں
ہاں اگر ان کی عنایت ہو تو کچھ دور نہیں

(مدحت کے پھول، ص ۹۱)

وہ زیارت سے محرومی کو بدقسمتی سمجھتے ہیں اور زیارت کو سامان راحت۔

شومئی بخت کہ طیبہ کی زیارت نہ ہوئی
نکہہ شوق کی تسکین کا ساماں نہ ہوا

(مدحت کے پھول، ص ۱۰۰)

کیا ہی حسرت سے کہتے ہیں۔

جانے کس دن نکہہ شوق کی بن آئے گی
جانے کب گنبد خضرا کا نظارہ ہوگا

(مدحت کے پھول، ص ۱۱۳)

حسرت دید مدینہ تجھے اللہ رکھے
اب مدینہ ہی مدینہ نظر آتا ہے مجھے

(خیابان ارم، ص ۷۶)

حسرت و ارماں کے بر آنے کا موسم آگیا
پھر حرم کو قافلے جانے کا موسم آگیا
بارگاہ شاہ دین میں جانے والوں کے لئے
اپنی خوش بختی پہ اترانے کا موسم آگیا
کوچۂ جاناں کی جانب پھر قدم اٹھنے لگے
نغمۂ لبیک پھر گانے کا موسم آگیا
اب کے بھی حامدؔ ہمیں آقا نے بلوایا نہیں
پھر ہمارے اشک بر سانے کا موسم آگیا

(مدحت کے پھول، ص ۱۷۸-۱۷۹)

ہم پر نہ کھلا باب کرم اب کے برس بھی
سرکار میں حاضر نہیں ہم اب کے برس بھی
اس بار بھی سوئی ہوئی تقدیر نہ جاگی
اٹھے نہیں طیبہ کو قدم اب کے برس بھی
راتوں کی دعائیں بھی مرے کام نہ آئیں
جاتا رہا اشکوں کا بھرم اب کے برس بھی
اس بار بھی سرکار کو ہم یاد نہ آئے
ناکام تمنا رہے ہم اب کے برس بھی
میرے دل پُر شوق کے ارماں نہیں نکلے
چومے نہیں وہ نقش قدم اب کے برس بھی
دیدار کی پیاسی ہی رہیں میری نگاہیں
برسا نہیں وہ ابر کرم اب کے برس بھی
وہ چل دیئے جن پر نگہہ لطف و کرم تھی
ہم رہ گئے اے شاہ امم اب کے برس بھی

مندرجہ بالا اشعار میں قلبی کیفیت اور سوز و ساز کے ساتھ لہجے میں قدرے تلخی اور شکایت کا عنصر غالب ہے اس لئے مقطع تک آتے آتے سنبھل جاتے ہیں کیوں کہ جانتے ہیں۔

ادب گا ہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

(عزت بخاری)

”زیر فلک یہ ادب گاہ عرش سے بھی نازک تر ہے۔ یہاں تو جنید و بایزید جیسے اہل اللہ بھی دم بخود ہو کر آتے ہیں۔“

اسی لئے مقطع میں اپنی محرومی و غیر حاضری کو اپنے ہی جذبہٗ دل کی کمی کا نتیجہ مانتے ہیں۔ جب تک جذبہ و طلب کامل و بھرپور نہ ہوگی، طلبی و حاضری ممکن نہ ہوگی۔

عشقِ نبی میں [illegible]

عشقِ نبی کی جب دل میں دی جگہ
ہم [illegible]

(ذوقِ نعت، ص [illegible])

اپنی محرومی پر کبھی اس طرح اظہارِ افسوس کرتے تھے

طیبہ میں عاشقوں کو بلاتے نصیب تھے
اک ہم نہ جا سکے یہ بلاتے نصیب تھے

(ذوقِ نعت، ص [illegible])

کس سوز و دروں کے ساتھ دعا و التجا و التماس کرتے تھے

میری بھی حاضری ہو دیارِ رسول میں
میری شبِ الم کو بھی لگ جائے سحر سے

(ذوقِ نعت، ص [illegible])

حسرت جو مرے دل کی ہے یارب وہ بر آئے
مجھ کو مرے سرکار کا روضہ نظر آئے

(ذوقِ نعت، ص [illegible])

حضور شہر میں اپنے مرا بھی گھر کر دیں
طویل قصہ فرقت ہے مختصر کر دیں
یہ میرا دل جو مدینے کو بڑھ جاتا ہے
نگاہ کہتی ہے مجھ کو بھی ہم سفر کر دیں

(حدیقہ بخشش، ص [illegible])

ہو جس میں بار بار مدینے کی حاضری
ایسا نصیب مجھ کو خدا یا نصیب ہو

(حدیقہ بخشش، ص [illegible])

اس دن کا تصور کر کے کتنا خوش ہوتے ہیں جب انھیں مدینہ منورہ کی حاضری کا شرف

حاصل ہوگا۔

کاش ایسا ہو کہ میں قافلے والوں سے کہوں
دیکھو دیکھو وہ مدینہ نظر آتا ہے مجھے

(خیابانِ ارم، ص ۷۴)

کتنا محبوب وہ دن اور وہ مہینہ ہوگا
جب مرے پیش نظر شہر مدینہ ہوگا

(مدحت کے پھول، ص ۱۱۲)

کاش اک دن مدینے کی گلیوں میں ہو
نغمہ زن حامدؔ مدح خواں آپ کا

(مدحت کے پھول، ص ۱۳۲)

اڑ کر مدینہ جاؤں نہ آنے کے واسطے
اے کاش ہو یہ بات مرے اختیار میں

(مدحت کے پھول، ص ۱۳۴)

اے کاش چشم شوق کو ایسا دکھائی دے
اٹھے نظر تو شہر مدینہ دکھائی دے

(مدحت کے پھول، ص ۱۴۹)

کاش ایسا ہو کہ اک روز میں دنیا سے کہوں
میرے آقا نے مدینے میں بلایا ہے مجھے

(خیابانِ ارم، ص ۷۶)

انھیں یقین کامل ہے کہ ان کا سوزِ قلب اور آرزوئے مدینہ ضرور رنگ لائے گی اور انھیں حاضری کا شرف حاصل ہوگا۔ ان کی آنکھیں زیارت گنبد خضرا سے ٹھنڈی ہوں گی۔ اسی یقین کے تحت کہتے ہیں۔

[illegible]

[illegible]

(مدینے کی گلیاں، ص [illegible])

[illegible]

(مدینے کی گلیاں، ص [illegible])

[illegible]

(مدینے کی گلیاں، ص [illegible])

[illegible]

(خیابانِ حرم، ص [illegible])

[illegible] ایک دن
بجتی ہے در اقدس پہ حاضری ہوگی

(مدینے کی گلیاں، ص [illegible])

سوئے مدینہ جائیں گے ہم ان شاء اللہ ان شاء اللہ
دل کی مراد پائیں گے ہم ان شاء اللہ ان شاء اللہ

(خیابانِ حرم، ص [illegible])

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(خیابانِ حرم، ص [illegible])

زائر طیبہ کے چہرے سے نظر کیسے ہٹے
اس کی آنکھوں میں مدینہ نظر آتا ہے مجھے

(خیابان ارم،ص ۷۴)

دیکھا جائے اسے حامدؔ جو مدینہ دیکھے
نگہہ شوق کی یوں پیاس بجھائی جائے

(خیابان ارم،ص ۷۲)

✪ بالآخر جذبۂ شوق رنگ لایا، حسرت دیدار کی تکمیل کے سامان بہم ہوئے اور جناب حامدؔ مارچ ۱۹۹۹ء میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ اس دیرینہ آرزو کی تکمیل کے بعد زائر بہت عرصہ تک وہاں کی یادوں اور باتوں میں گم رہتا ہے اور چشم تصور سے وہیں کے نظارے کرتا ہے۔ جناب حامدؔ نے ان کیفیات کو اس طرح نظم کیا ہے۔

کل در اقدس پر حاضر تھا، آج وہاں کی یادیں ہیں
میرا مقدر کتنا اچھا کل بھی تھا اور آج بھی ہے

(خیابان ارم،ص ۱۰۴)

شرف ملا ہے مدینے میں حاضری کا مجھے
مجھے ہے ناز کہ سرکار کی نگاہ میں ہوں

(وسیلۂ بخشش،ص ۹۲)

یہ مجھ پہ ان کی عنایت نہیں تو پھر کیا ہے
یہ دل مدینے میں رہتا ہے میں کہیں بھی رہوں

(وسیلۂ بخشش،ص ۹۲)

دل کے غنچے کھلے، یہی دن تھے
ہم مدینے میں تھے، یہی دن تھے

حاصل زندگی ہیں جو تھے
جب وہ تھے نے، یہی دن تھے
ناز کرتے تھے اپنی قسمت پہ
ہم مرے تھے، جبھی یہی دن تھے
زندہ رہنے کو چاہتا تھا جی
در اقدس پہ تھے یہی دن تھے
ہم نکمے بھی ان کی رحمت سے
تھے بڑے کام کے، یہی دن تھے

(خیابان ارم، ص ۷۶ - ۱۷۵)

دیارِ پاک میں گذرے جو زندگی کے دن
تمام عمر میں ٹھہرے وہی خوشی کے دن

(ہدیۂ بخشش، ص ۱۱۷)

میری قسمت بھی چمک اٹھی تھی
میں بھی اک بار گیا تھا طیبہ
آج تک بھی وہ چمک باقی ہے
ہے تصور میں وہاں کا نقشہ

تعارف (ہدیۂ بخشش، ص ۱۴۳)

✪ انسانی آرزوں اور تمناؤں کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ ایک آرزو کی تکمیل کے بعد دوسری سر ابھارنے لگتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہی حاصل زندگی ہیں، زندگی اور اس کی حرکت و عمل کی علامت ہیں۔ اسی لئے دیرینہ آرزو کی تکمیل کے بعد جناب حامدؔ کی آرزوں اور تمناؤں نے یہ رُخ اختیار کیا۔

روضے کی دید ہوگئی اب آرزو یہ ہے
دیدار چہرۂ شہ والا نصیب ہو

مجھ کو بلا لیا یہ کرم ہے حضور کا
بچوں کو بھی مرے یہاں آنا نصیب ہو

(خیابانِ ارم، ص ۹۶)

مدینہ چلو ساتھ بچوں کے حامدؔ
یہ دیکھیں کہ کیا ہیں مدینہ کی گلیاں

(جوئبارِ بخشش، ص ۲۱۶)

پھر بلا کر دیارِ اقدس میں
یانبی شاد کام کیجئے گا

(وسیلۂ بخشش، ص ۷۰)

جس میں ہو بار بار مدینے کی حاضری
ایسا نصیب مجھ کو خدایا نصیب ہو

(وسیلۂ بخشش، ص ۸۴)

حاضر تھا مدینے میں ابھی بات ہے کل کی
پھر دل کا تقاضہ ہے رہوں جا کے وہیں اور

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۳۸)

حامدؔ زار پر حضور چشمِ کرم یوں ہی رہے
آتا رہے سلام کو سال بہ سال یا نبی

(وسیلۂ بخشش، ص ۲۶)

شام و سحر رہے درِ اقدس پہ حاضری
آنکھوں میں شوق دل میں عجب اضطراب ہو

(وسیلۂ بخشش، ص ۷۸)

حامدؔ زندگی کی شام بھی مدینے میں کرنا چاہتے ہیں۔ اس وقت کے لئے ان کی آرزو اور تمنا یہ ہے:

یہ قافلہ حیات کا چلتا رہے گا
تھک جاؤں جب تو تم مرے قریب ہو

[illegible]

جب خاک ہوں تو خاک مری رہ جائے گی
اس در سے دور ہو کے رہ گئی قریب ہو

[illegible]

سلام

بحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سلام بھی حمد و نعت و منقبت کی طرح ایک مذہبی صنفِ سخن ہے۔ یہ غزل کی ہیئت میں ہوتا ہے۔ غزل کی طرح اس کا بھی ہر شعر ایک نئے موضوع و مفہوم اور کیفیت و خیال کو پیش کرتا ہے۔ اس میں اور غزل میں بنیادی فرق یہ ہے کہ غزل میں حسن و عشق کے معاملات بنیادی نوعیت کے ہوتے ہیں جبکہ سلام میں مدح و منقبت پر زور ہوتا ہے۔ اس میں ایک مخصوص غنائی کیفیت پائی جاتی ہے اور اسے ترنم و سوز نیز قلبی کیفیت کے ساتھ ہی پڑھا جاتا ہے۔ یہی کیفیت سامعین پر بھی طاری ہوتی ہے۔

حامد امروہوی نے بحضور سرورِ کائنات ﷺ اور نواسۂ رسول شہیدِ کربلا حضرت امام حسین کی خدمت میں سلام پیش کئے ہیں۔ ان کے مختلف مجموعوں میں بحضور سرورِ کونین ﷺ تین سلام ہیں۔ پہلا سلام ہر شعر سے قبل اور بعد

یا نبی سلام علیک　　　یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک　　　صلوٰۃ اللہ علیک

کی تکرار کے ساتھ درج ذیل سات اشعار پر مشتمل ہے۔

دونوں عالم کے خزانے　　　دے دیئے تم کو خدا نے
جو تمہارا مرتبہ ہے　　　کون سمجھے کون جانے

کون آیا تم سے بڑھ کر تم شفیع روز محشر
مصطفیٰ تم مجتبےٰ تم بعد حق تم سب سے بہتر

سیّد و سردار ہو تم احمد مختار ہو تم
ہم بھٹک سکتے نہیں ہیں قافلہ سالا ر ہو تم

صبح تم سے شام تم سے گردش ایام تم سے
شافع روز قیامت عاصیوں کو کام تم سے

باعث ارض و سماتم ابتدا تم انتہا تم
ذات حق کا آئینہ ہو مظہر نور خدا تم

شاہ دین سلطان عالم خسرو خوبان عالم
الحذر درد جدائی المدد اے جان عالم

اس کے دکھ کی بھی دوا ہو بھیک حامدؔ کو عطا ہو
یہ گدائے بے نوا ہے تم شہ ہر دوسرا ہو

یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

(مدحت کے پھول، ص۴۶-۴۷)

''خیابان ارم'' میں آٹھ اشعار پر مشتمل ''سلام بحضور سرور کائنات'' اس طرح ہے

اے شہ دو جہاں سلام علیک
سرور انس و جاں سلام علیک
مقصد عاشقاں سلام علیک
اہل ایماں کی جاں سلام علیک
ہم سے لاکھوں ہیں، جس طرف دیکھیں
آپ جیسا کہاں، سلام علیک
نور ہی نور ہیں مرے آقا
نور حق بے گماں سلام علیک
کوئی بھی سائباں نہیں آقا
آپ ہیں سائباں سلام علیک
آپ کے نقش پا سے چمکا ہے
جادۂ کہکشاں سلام علیک
حشر کی بھیڑ میں نہ کھو جاؤں
رہ بر کارواں سلام علیک
کاش حامدؔ بھی آئے روضے پر
اور کہے یہ وہاں سلام علیک

(خیابان ارم، ص ۳۰-۳۱)

تیسرا اسلام ''وسیلۂ بخشش'' میں اس طرح سے ہے۔

شاہ دیں سلطاں خوباں الصلوٰۃ و السلام
خلق پر خالق کے احساں الصلوٰۃ والسلام
اے علاج درد عصیاں الصلوٰۃ والسلام
راحت قلب پریشاں الصلوٰۃ والسلام

واقف حال غریباں الصلوٰۃ والسلام
محرم اسرار یزداں الصلوٰۃ والسلام
سر بسر انوار یزداں الصلوٰۃ والسلام
ہو بہو آیات قرآں الصلوٰۃ والسلام
باعث ایجاد عالم آپ پر لاکھوں دورد
قصہ ہستی کے عنواں الصلوٰۃ والسلام
سب کے کام آنا مرے آقا ہے عادت آپ کی
سب کی کشتی کے نگہباں الصلوٰۃ والسلام
رحمت العالمین اے جان ایمان و یقیں
جان حسرت جان ارماں الصلوٰۃ والسلام
کاش پھر اک بار حامدؔ جاکے روضے پر کہے
شاہ دیں سلطان خوباں الصلوٰۃ والسلام

(وسیلۂ بخشش، ص ۶۳-۶۴)

جزوی تبدیلیوں کے ساتھ یہ سلام جویاز بخشش میں بھی شائع ہوا ہے۔

نواسہ رسول، جگر گوشہ بتول، شہید کربلا حضرت امام حسین کے حضور بھی آپ نے تین سلام پیش کیے ہیں۔ ان کے پہلے مجموعہ کلام ''مدحت کے پھول'' میں دو ''سلام در منقبت سیّدنا حسین'' کے عنوان سے ہیں۔

پہلے سلام میں پانچ اور دوسرے مین سات اشعار ہیں جو اس طرح ہیں۔

حسین ابن علی شاہ کربلا کو سلام بہار باغ نبی، جان فاطمہ کو سلام
شہید راہ و فا تیری ہر ادا کو سلام جفا کے بدلے دعا دی، تری دعا کو سلام
چراغ جس نے جلائے لہو سے راہوں میں زمانہ کیوں نہ کرے ایسے رہنما کو سلام
لٹا کے قبر میں لخت جگر کو اے آقا تمھارے منہ سے جو نکلی تھی اس دعا کو سلام

ہمارا فرض ہے حامدؔ کہ پیش کرتے رہیں
ہر ایک راہ روِ جادۂ وفا کو سلام

(مدحت کے پھول، ص ۱۹۲)

''بھائی چھوٹے اور سر سے باپ کا سایا گیا
لب پہ عابد کے مگر شکر خدا پایا گیا
خون آنکھوں نے بہایا، دل کے ٹکڑے ہوگئے
قصہ کرب وبلا جس وقت دہرایا گیا
وہ جفا تھی کون سی، جس میں کمی رکھی گئی
ظلم ایسا کون سا تھا جو نہیں ڈھایا گیا
جس جواں بیٹے کے سہرے کی تمنا دل میں تھی
وہ بھی بوڑھے باپ کے ہاتھوں سے دفنایا گیا
جس کے دادا ساقی کوثر ہیں اس معصوم کو
تشنہ لب رکھا گیا، پانی کو ترسایا گیا
آیۂ تطہیر جن کی شان میں نازل ہوئی
ان کو بے پردہ بھرے دربار میں لایا گیا
ہم سے تو حامدؔ گدا اس در کا ہو جانے کے بعد
پھر کسی کے سامنے دامن نہ پھیلایا گیا''

(مدحت کے پھول، ص ۱۹۳-۱۹۴)

اس سلام میں مرثیہ کا سا انداز ہے جسے پڑھ کر یا سن کر رقت طاری ہونا فطری ہے اگر مجلس میں سوز کے ساتھ پڑھا جائے تو یقیناً مجمع پر گریہ وبکا طاری ہو جائے گا۔

حامدؔ امروہوی کے دوسرے مجموعہ کلام ''خیابان ارم'' میں بھی تیرہ اشعار کا ''سلام بحضور سید الشہداء حضرت حسین رضی اللہ عنہ'' کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔

اللہ اللہ کیا حسیں مداح کی تقدیر ہے
مدح خوانی کے صلے میں خلد کی جاگیر ہے
آج محفل میں ملائک گوش بر آواز ہیں
کیوں نہ ہوں، میری زباں پر مدحت شبیر ہے
اے شہید کربلا تیری شہادت کے طفیل
سوز عشق مصطفیٰ سینوں میں عالمگیر ہے
زندگی کی بات ہو یا مرحلہ ہو موت کا
ہر عمل شبیر کا قرآن کی تفسیر ہے
راہ حق میں سر کٹانا آج آساں ہو گیا
اہل ایماں کی نظر میں مسلک شبیر ہے
دیکھنے والوں نے جب اکبر کو دیکھا تو کہا
ہو بہو یہ سرور کونین کی تصویر ہے
ایک ننھے سے مجاہد کی شجاعت دیکھئے
لب پہ اصغر کے تبسم ہے، کھلی شمشیر ہے
جتنے اچھے کر دیے ہیں دردعصیاں کے مریض
خاک پاک عابد بیمار وہ اکسیر ہے
ہم اسیروں کے لئے بیڑی رہائی بن گئی
اپنی آزادی کی ضامن پاؤں کی زنجیر ہے
جس نے للکارا ہے ظالم کو بھرے دربار میں
دختر شیر خدا وہ زینب دل گیر ہے
سر برہنہ تو نہیں بازار میں سیدانیاں
سایہ افگن ان کے سر پر چادر تطہیر ہے

شافع محشر کے گھر والوں کا صدقہ چاہئے
پرسش روز جزا کی فکر دامن گیر ہے
میں ہوں اے حامد غلام ابن غلام اہل بیت
ناز کرتا ہوں مری تقدیر کیا تقدیر ہے

(خیابان ارم، ص ۱۲۷-۱۲۹)

’’جو یبار بخشش‘‘ میں اسی سلام کے سات اشعار کا انتخاب جزوی تبدیلی کے ساتھ شامل ہے۔

○■○

منقبت کے نمونے: آل، اصحاب و بزرگانِ دین

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مناقب خلفائے راشدین

ا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ

حضرت ابوبکر صدیق سرور کائنات ﷺ کے رفیق و صدیق، جاں نثار و غم گسار، وفادار اور یار غار ہیں۔ خلیفہ اول بھی ہیں اور خسر معظم بھی۔ ''افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ابوبکر صدیق'' ان کے لقب ہیں۔ امت کی غالب ترین اکثریت نے ہمیشہ انھیں عزت و محبت سے یاد کیا ہے اور ان کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کئے ہیں۔ حامدؔ بھی ان کے بڑے مداح ہیں۔ ان کی مدح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''ذکر صدیق بھی لازم ہے وہاں اے حامدؔ
جب کریں آپ کہیں احمد مختار کی بات
شب ہجرت وہ رفیق شہ ابرار کی بات
ہم کو قرآں سے سند بن کے ملی غار کی بات
یہ زمانہ نہیں بھولا ہے، نہیں بھولے گا
تیرے ایثار کے قصّے، ترے کردار کی بات
گھر میں جو کچھ تھا کیا دین پہ آقا کے نثار
ساری دنیا سے الگ ہے ترے ایثار کی بات
بعد رحلت بھی میسر ہے نبی کی قربت
ہاں محبت اسے کہتے ہیں، یہ ہے پیار کی بات

میرا مسلک تو حقیقت میں یہی ہے حامد
پہلے حق، پھر شہ دیں، اور پھر ان چار کی بات"

(مدحت کے پھول، ص ۱۷۶)

"صدیق کہ ہیں مطلع دیوان خلافت
سلطان خلافت ہیں، نہیں جان خلافت
بخشا ہے شرف ان کو امامت کا نبی نے
ملتا ہے یہیں سے انھیں فرمان خلافت"

(مدحت کے پھول، ص ۱۸۵)

"ہم سے پوچھو ہم بتائیں مسلک اہل وفا
سیرت صدیق اکبر ہے ہمارے سامنے"

(مدحت کے پھول، ص ۱۳۰)

"کچھ اس طرح شب ہجرت کی بات ہوتی ہے
کلام حق میں رفاقت کی بات ہوتی ہے
ہے آج حضرت صدیق یار غار کا ذکر
رفیق ختم رسالت کی بات ہوتی ہے
انھیں کے نام کی قسمیں تو لوگ کھاتے ہیں
اگر کہیں بھی صداقت کی بات ہوتی ہے
ہیں ان کے نام کے بعد، اور نام ہیں جتنے
کبھی جو دین کی خدمت کی بات ہوتی ہے
انھیں کی سارا زمانہ مثال دیتا ہے
جو دوستوں میں محبت کی بات ہوتی ہے
ملائکہ نے بھی کمبل سے ہیں کانوں سے
فلک پہ ان کی شباہت کی بات ہوتی ہے

انھیں کے نام سے ہوتی ہے ابتدا حامد
اگر نبی کی خلافت کی بات ہوتی ہے''

(خیابان ارم، ص ۱۱۵-۱۱۶)

''صدیق با وفا کا مقدر تو دیکھئے
قرآن نے رفیق شہ دوسرا کہا''

(خیابان ارم، ص ۶۶)

واقف نہ تھا ایثار کے معنی سے زمانہ
ایثار رفیق شہ ابرار سے پہلے

(وسیلۂ بخشش، ص ۸۸)

صدیق یار غار کا قرآں میں ذکر ہے
یہ دوستی کی بات ہے یہ دوستی کی شان

(وسیلۂ بخشش، ص ۹۳)

آج کی رات نے صدیق کا بخشا ہے لقب
نبی بوبکر کا معیار صداقت معراج

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۰۳)

۲۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ

خلیفہ دوم امیرالمومنین حضرت عمر فاروق اعظم مشہور و معروف صحابی رسول ہیں۔ رسالتماب ﷺ کے خسر معظم بھی ہیں۔قبل ایمان اسلام اور رسالتماب ﷺ کے شدید مخالف اور دشمن تھے لیکن قبول اسلام کے بعد اسی شدت سے آپ کی حمایت اور آپ سے محبت کی۔ان کا دور خلافت اسلام کا عہد زریں اور عروج وکمال کا دور رہا۔اپنی ساڑھے دس سالہ خلافت میں آپ نے ایران و روم کی دو زبردست سلطنتوں کو زیروزبر کو ڈالا اور پرچم اسلام کو ہزاروں میل کے رقبے میں بلند کردیا۔حضرات ابوبکر و عمرؓ آپ کے دست و بازو بن کر رہے اور بعد وصال

بھی اس قربت میں فرق نہیں آیا۔ایک ہی روضہ مقدسہ میں تینوں کی قبور انور ہیں۔

عالم اسلام ہمیشہ آپ کا مداح و معتقد رہا اور آپ کے حضور نثر و نظم میں نذرانہ منقبت و عقیدت پیش کرتا رہا۔حامدؔ نے بھی ان کی مدح و ثنا میں خوب خوب زور قلم صرف کیا ہے۔

مندرجہ ذیل مناقب و اشعار اس کے ثبوت ہیں۔

''میدان عمل میں لوگ آئیں تو سہی
ثانی کوئی فاروق کا لائیں تو سہی
جو کچھ بھی کیا ہے دین کی خدمت کے لئے
تاریخ کے صفحوں سے مٹائیں تو سہی''

(مدحت کے پھول،ص۱۸۶)

''فاروق پہ یہ رحمت باری تو دیکھئے
سوئے ہوئے نصیب تھے، بیدار ہوگئے
آئے تھے جان لینے کو سرکار کی مگر
خود ان پہ جان دینے کو تیار ہوگئے
اسلام کو حمایت فاروق مل گئی
حربے تمام کفر کے بیکار ہوگئے
حلقہ بگوش ہوتے ہی دنیا بدل گئی
سرکار کے غلام بھی سرکار ہو گئے''

(مدحت کے پھول،ص ۱۳۷-۱۳۸)

''اصحاب باوفا کے چھڑے ہیں جو تذکرے
ایمان کو عمر کے نبی کی دعا کہا''

(خیابان ارم،ص ۶۶)

گونجی نہیں تکبیر کی کعبے میں صدائیں
فاروق کی تلوار کی جھنکار سے پہلے

(وسیلہ بخشش،ص ۸۸)

مجھ سے پوچھو میں بتاؤں عظمت شان عمر
تھا رسول پاک کو درکار ایمان عمر
مجھ کو بھی قدرت ملے گنجینۂ الفاظ پر
منقبت میں بھی لکھوں اک روز شایان عمر
اہل ایماں کے دلوں میں ہے محبت موجزن
کفر کے سینے میں پیوستہ ہے پیکان عمر
شافعؐ روز جزا نے لے لیا آغوش میں
حشر میں اس شان سے آئے غلامان عمر
ساریہ کو جا کے پہنچائی صدا فاروق کی
اللہ اللہ تھی ہوا بھی زیر فرمان عمر
حضرت فاروق اعظم واقف شان علی
اور علی مرتضیٰ ہیں مرتبہ دان عمر
مدحت سرکار دوعالمؐ کا صدقہ دیکھئے
محفل ایماں میں حامدؔ ہے ثنا خوان عمر

(خیابان ارم، ص ۱۱۷-۱۱۸)

۳۔ حضرت عثمان غنیؓ

حضرت عثمان بن عفان ان چند اولین مسلمانوں میں سے ہیں۔ جنھوں نے اسلام کی خاطر دو بار ہجرت کی۔ حضور رسالتمآب ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیوں کے نکاح ان سے کئے اس لئے 'ذوالنورین' کے لقب سے ملقب ہوئے۔ بیعت رضوان کے موقع پر حضور پاک ﷺ نے اپنے ایک دست مبارک کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت کی۔ یہ بھی آپ کا خصوصی شرف ہے۔ وہ بڑے تاجر اور دولت مند تھے اسی لئے غنی کہلائے۔ انھوں نے اپنی دولت کو اسلام کی خدمت کے لئے بے دریغ خرچ کیا۔ حضرت عمر کے بعد وہ تیسرے

خلیفہ منتخب ہوئے فتوحات اور اسلامی سلطنت کی وسعت کے علاوہ تلاوت قرآن کو قبیلہ قریش کے لب ولہجہ پر قائم کرنا بھی ان کا اہم کارنامہ ہے، اسی لئے انھیں 'جامع قرآن' بھی کہا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کی بغاوت کی بنا پر مظلومانہ شہادت ان کا مقدر بنی۔

ان کی عظیم خدمات کی بنا پر امت نے ہمیشہ انھیں عزت وعظمت کے ساتھ یاد کیا ہے اور ان کے حضور نذرانہ عقیدت ومحبت پیش کیا ہے۔ حامد امروہوی نے بھی ان کے اوصاف ومناقب بیان کئے ہیں اور مختلف انداز سے نذر عقیدت پیش کی ہے۔

"حامد پہ کرم دیکھئے یاران نبی کا
احسان وہ لیتا نہیں سر اپنے کسی کا
میں اس کی قناعت کا سبب تم کو بتاؤں
وہ نام لیا کرتا ہے عثمان غنیؓ کا"

(مدحت کے پھول، ص ۱۸۷)

"جس کو دے اللہ الفت حضرت عثمان کی
بس وہی سمجھے گا عظمت حضرت عثمان کی
یہ حقیقت اہل ایمان کے دلوں سے پوچھئے
حاصل ایماں ہے چاہت حضرت عثمان کی
بیعت رضواں سے یہ دنیا پہ ظاہر ہوگیا
بیعت سرکار، بیعت حضرت عثمان کی
اس کے حامی حشر کے دن سرور کونین ہیں
جس کو حاصل ہے حمایت حضرت عثمان کی
اللہ اللہ ان کی ممنون کرم دنیا بھی ہے
دین کے کام آئی دولت حضرت عثمان کی
جامع قرآں کا قرآں سے شغف تو دیکھئے
شہد ہے اس پر شہادت حضرت عثمان کی

دولت دنیا سے حامدؔ دل غنی کیسے نہ ہو
اس میں رکھتا ہوں محبت حضرت عثمان کی''

(خیابان ارم، ص ۱۱۹-۱۲۰)

''عثمان کی حیا کا اگر تذکرہ کیا
آئینۂ جمال رُخِ مصطفیٰ کہا

(خیابان ارم، ص ٦٦)

''آگاہ زمانہ نہ ہوا حلم و حیاسے
عثمان کے آئینۂ رخسار سے پہلے

(وسیلۂ بخشش، ص ۸۸)

۴۔ حضرت علی مرتضیٰؓ

حضرت علی ابن ابی طالب رسالتمآب ﷺ کے برادرِ عم زاد بھی ہیں اور پروردہ بھی۔ بچوں میں سب سے پہلے انھوں نے اسلام قبول کیا۔ بڑے ہونے پر حضور انور ﷺ نے اپنی سب سے چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا کی ان کے ساتھ شادی کردی۔ حسنین کریمین اور زینب و کلثوم انھیں کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں تھیں۔ ابوالحسن اور ابوتراب آپ کی کنیت تھیں۔ یداللہ اور اسد اللہ آپ کے لقب ہیں۔ علم، عمل اور شجاعت کے شہسوار تھے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد چوتھے خلیفہ راشد کی حیثیت سے آپ کا انتخاب ہوا تھا۔ آپ کے فضائل و مناقب میں بہت سی احادیث اور اقوال صحابہ ہیں۔

ساڑھے پانچ سال کی خلافت کے بعد بعمر ٦۳ سال بتاریخ ۲۱ رمضان ۴۰ھ میں کوفہ کی مسجد میں عبدالرحمٰن ابن ملجم نے آپ کو شہید کردیا۔

آپ کے فضائل و مناقب اور رسالتمآب ﷺ سے قرابت قریبہ کی بدولت عالم اسلام نے ہمیشہ آپ کو عزت و محبت کے ساتھ یاد کیا ہے اور بہترین نذرانۂ عقیدت پیش کئے ہیں۔ حامدؔ امروہوی نے بھی آپ کے حضور متعدد گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں جو ان کے سبھی مجموہائے کلام ہیں پائے جاتے ہیں۔

''علی کی ذات اقدس پر خلافت ناز کرتی ہے
یہ ہیں شیر خدا، ان پر شجاعت ناز کرتی ہے
شب ہجرت ہوا اظہار ان سے جس محبت کا
محبت کی قسم، اس پر محبت ناز کرتی ہے''

(مدحت کے پھول، ص ۱۸۸)

''خیبر شکن ہیں آپ تو شیر خدا کہا
مشکل میں کام آئے تو مشکل کشا کہا
مولا کہا امیر کہا مرتضیٰ کہا
جو بھی کہا ہے میں نے، نبی کا کہا کہا
مجھ کو غرض نہیں انھیں دنیا نے کیا کہا
میں نے توان کو درد کی اپنے دوا کہا
لو میں نے اک نجات کی صورت نکال لی
ان کو حبیب شافع روز جزا کہا
دیکھا انھیں جو چشم حقیقت شناس نے
آئینہ جمال رُخ مصطفیٰ کہا
حامدؔ پڑھا قصیدہ جو محفل میں آپ نے
جس نے بھی صدق دل سے سنا مرحبا کہا''

(خیابان ارم، ص ۱۲۱-۱۲۲)

''سرشار ہے جو عشق شہ بوتراب میں
وہ معتبر ہے چشم رسالتمآب میں
ملتی نہ کیسے منزل عرفان و آگہی
میں نے علی کا نام لکھا ہے کتاب میں
مخمور ہر گھڑی مئے حُب علی سے ہوں
پینا نہیں ضرور شب ماہ تاب میں

ڈھونڈا بہت مگر کوئی ان سا نہ مل سکا
لانا پڑا انھیں کو انھیں کے جواب میں
کیسا کھلا ہوا ہے گلستان آرزو
کیا بس گئے ہیں وہ دل خانہ خراب میں
حامدؔ نظر پڑی جو رُخ بو تراب پر
جچتا نہیں کوئی نگہہ انتخاب میں"

(خیابان ارم، ص ۱۲۳-۱۲۴)

"دروازہ شہر علم نبی کا ہیں بو تراب
میں نے جو یہ کہا، تو نبی کا کہا کہا"

(خیابان ارم، ص ۶۶)

"نعت نبی لکھتا ہوں حامدؔ
حُب علی کے جام کو پی کے"

(جو یبار بخشش، ص ۱۰۲)

وہ شیر خدا فاتح خیبر کہیں جس کو
کوئی بھی نہ تھا حیدر کرار سے پہلے

(وسیلۂ بخشش، ص ۸۸)

"شہپر حضرت جبریل امیں اے حامدؔ
قوت بازوئے حیدر کا پتہ دیتے ہیں"

(مدحت کے پھول، ص ۱۳۰)

"ہجرت کی شب رسول کا بستر نصیب ہے
اللہ رے ربط نبی کو علی کے ساتھ"

(مدحت کے پھول، ص ۱۴۵)

خلفائے اربعہ کی مشترکہ مدح

"گن گائیں صدیقؓ و عمرؓ کے
مدح کریں عثمان و علی کی"

(خیابانِ ارم، ص ٦٨)

"میرا مسلک تو حقیقت میں یہی ہے حامدؔ
پہلے حق، پھر شہ دیں اور پھر ان چار کی بات"

(مدحت کے پھول، ص ۱۷۵)

"ابوبکر و عمر عثمان و حیدر
بہار باغ ایماں ان سبھی سے"

(وسیلۂ بخشش، ص ۷۳)

"میرے آقا نے رفاقت کا بھرم رکھا ہے
اب بھی بوبکر و عمر آپ کے ہم سائے ہیں"

(مدحت کے پھول، ص ۱۲۳)

[illegible] پہ حاضری کا تصور کرتے ہوئے خود سے کہتے ہیں۔

"صدیق بھی یہیں پہ ہیں فاروق بھی یہیں
ان سے خطاب ہو کبھی ان سے خطاب ہو"

(وسیلۂ بخشش، ص ۷۸)

"ایسے تو کوئی ثانی ان کے جاں نثاروں کا
صدق میں، عدالت میں، علم میں، شجاعت میں"

(خیابانِ ارم، ص ٦٢)

دیگر اصحاب کرام کی مدح

خلفائے اربعہ کے علاوہ حامدؔ امروہوی نے دوسرے صحابہ کرام کی بھی مختلف اشعار میں مدح کی ہے اور گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں۔

✪ حضرت بلال حبشی نژاد تھے اور مکہ میں ایک ظالم کے غلام۔ بلال اولین مسلمانوں میں سے ہیں اور رسالتماب ﷺ کے عاشق صادق۔ اسی پاداش میں انھیں اپنے ظالم آقا کے ہاتھوں سخت اذیتیں برداشت کرنی پڑیں۔ بالآخر حضرت ابو بکر صدیق نے گراں قیمت میں آپ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ حضرت بلال اپنی انتہائی محبت و خدمت کی بدولت خادم خاص کے مقام تک پہنچ گئے تھے۔ انھیں مسجد نبوی کے موذن ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ حضرت عمر فاروق جیسے جلیل القدر صحابی انھیں سیدنا بلال کہتے تھے انھیں سبھی آل واصحاب کی عزت و محبت حاصل تھی۔

حامدؔ امروہوی نے ان کی مدح میں بھی کئی اشعار کہے ہیں۔

"اظہار آرزو کا سلیقہ نصیب ہو
آقا بلال کا لب ولہجہ نصیب ہو"

(خیابان ارم، ص ۹۵)

"جس کی تقدیر پہ شاہوں کو بھی رشک آتا ہے
ہے بلال حبشی کون؟ غلام ان کا ہے"

(مدحت کے پھول، ص ۸۳)

✪ قرن۔ یمن کے رہنے والے اویس قرنی گو مرتبہ صحابیت تو حاصل نہ کر سکے اور صرف تابعی تسلیم کئے گئے لیکن ان کا عشق رسول ضرب المثل ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حامدؔ امروہوی نے ایک شعر میں حضرت اویس قرنیؒ اور حضرت بلال حبشیؓ کے واسطے اور وسیلے سے دعا کی ہے۔

"عطا ہو جذبۂ الفت اویس قرنی کا
بلال کا لب و لہجہ ملے اذاں کے لئے"

(مدحت کے پھول، ص ۷۷)

○ حضرت ابوذر غفاری اور حضرت سلمان فارسی بہت ہی مخلص اصحاب رسول ﷺ ہیں۔ قناعت، سادگی اور خدمت خلق کے اعلیٰ معیاروں پر فائز تھے۔ ایک شعر میں ان کے انہی اوصاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ضمیر جعفری کہتے ہیں:

"جو صحت کی ہوا بوذر و سلمان میں ہے
وہ نہ دارا میں، نہ کسریٰ میں، نہ خاقان میں ہے

(ضمیریات، ص ۳۶)

○ قبیلہ بنو سعد کی خاتون حضرت حلیمہ سعدیہ رسول اکرم ﷺ کی رضاعی ماں ہیں۔ انھوں نے نہ صرف آپ کو دودھ پلایا بلکہ آپ کے ابتدائی سال انھی کی آغوش شفقت میں گزرے۔ انھوں نے طویل عمر پائی۔ ہجرت اور اس کے بعد کی فتوحات کے دور میں وہ مدینہ آگئیں۔ اسلام قبول کیا اور سرکار رسالت مآب ﷺ کی طرف سے عزت، محبت اور تحائف لے کر واپس ہوئیں۔ ایک شعر میں ان کی مدح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اے حلیمہ قسمت پہ ناز کیوں نہ ہو تجھ کو
دو جہاں کی رحمت ہے جس کو تو نے پالا ہے

(مدحت کے پھول، ص ۴۳)

مدح و مناقب اہل بیت

اہل بیت کے لفظی معنی ہیں گھر والے۔ ہر شخص کے اہل و عیال اس کے اہل بیت ہوتے ہیں لیکن اصطلاحاً اہل بیت اطہار سے مراد حضور سرور کائنات ﷺ کے اہل خانہ ہیں۔ ان میں آپ کی ازواج مطہرات کے علاوہ بالخصوص آپ کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا، ان کے شوہر نامدار حضرت علی مرتضیٰ، ان کے صاحبزادگان حسنین کریمین یعنی حضرت امام حسن و امام حسین اور ان کی صاحبزادیوں کو اہل بیت میں شامل کیا جاتا ہے۔ ان میں بھی حضرت فاطمہ اور ان کے جگر گوشوں کو اولیت و فوقیت دی جاتی ہے۔ کیونکہ خود رسالت مآب ﷺ نے ان کے فضائل و مناقب بیان کیے ہیں۔ اس لیے امت نے ان کی محبت و عقیدت اور ان کے فضائل و مناقب

کے بیان کو جزو ایمان سمجھا ہے۔

✪ حامدؔ امروہوی نے بھی حضرت فاطمہ زہرا، حضرت امام حسین، ان کی ہمشیرہ حضرت زینب اور حضرت امام زین العابدین کے مناقب بیان کئے ہیں اور بحیثیت مجموعی بھی اجتماعی طور پر ان کے حضور گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں۔

سیدۃ انساء، خاتون جنت حضرت فاطمہ زہراؓ کے مناقب بیان کرتے ہوئے حامدؔ کہتے ہیں۔

"جناب فاطمہ جن کا لقب خاتون جنت ہے
انھیں کی ذات وجہ راحت قلب رسالت ہے
انھیں کے لال ہیں جن سے شہادت نے شرف پایا
بہار باغ دین مصطفیٰ ان کی بدولت ہے
میں اس نسبت پہ نازاں ہوں کہ ان کا نام لیوا ہوں
مجھے دوزخ کا کیا کھٹکا مرے حصے میں جنت ہے
قیامت کا مجھے کیا ڈر مگر غم ہے تو اس کا ہے
انھیں کیا منہ دکھاؤں گا نہ صورت ہے نہ سیرت ہے
پڑے مشکل تو حامدؔ کیوں نہ میں ان کی طرف دیکھوں
مجھے معلوم ہے مشکل کشائی ان کی عادت ہے"

(مدحت کے پھول، ص ۱۹۰)

✪ حضرت امام حسین یا حضرت شبیر حضرت علی و فاطمہ زہرا کے دوسرے صاحبزادے ہیں جن سے حضور رسالتماب ﷺ نے بہت محبت فرمائی ہے اور انھیں جوانان جنت کا سردار قرار دیا ہے۔ ان کے فضائل و مناقب بکثرت ہیں۔ انھوں نے حق کی حفاظت کے لئے میدان کربلا میں اپنی اور اپنے تمام خاندان کی شہادت کو قبول کیا لیکن پرچم حق کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔ ان کی شہادت عظمہ اور واقعات کربلا نے تاریخ اسلام پر بڑے گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ ان کے واقعات شہادت کو آج تک ہر سال ماہ محرم میں بڑی رقت اور دل سوزی کے ساتھ یاد کیا

جاتا ہے۔ ان کے بے شمار مراثی لکھے گئے اور بے انتہا مناقب بیان کئے گئے ہیں۔

حامد امروہوی نے بھی ان کے مناقب اور اوصاف کے بیان میں زور قلم صرف کیا ہے۔ پہلے مجموعہ کلام ''مدحت کے پھول'' میں ان کے مناقب وفضائل ''سلام'' کی ہیئت میں پیش کئے گئے ہیں۔ پہلا سلام پانچ اشعار پر مشتمل ہے اور دوسرا سات اشعار پر۔ دوسرے مجموعہ کلام ''خیابان ارم'' میں تیرہ اشعار کا ایک سلام ہے۔ اس کو تیسرے مجموعہ کلام ''جو یبار بخشش'' میں جزوی تبدیلی کے ساتھ سات اشعار میں پیش کیا گیا ہے۔ چھ اشعار حذف کر دیئے گئے ہیں۔

ان سب کا تفصیلی جائزہ ''سلام'' کے عنوان سے لیا جا چکا ہے۔

حضرت حسنین حضور اکرم ﷺ کے چہیتے نواسے تھے اور آپ دونوں سے بہت محبت کرتے تھے اسی لئے اہل محبت اپنی دعاؤں میں ان کا واسطہ اور وسیلہ چاہتے ہیں اور ان کے طفیل کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ایک شعر میں حامد نے بھی یہی کیا ہے۔

''ان سے میں ان کے دلاروں کا اُتارا مانگوں
آج سرکار سے حسنین کا صدقہ مانگوں''

(مدحت کے پھول، ص ۱۶۷)

حضرت امام حسن و امام حسین کے دوسرے نام شبیر و شبر بھی تھے۔ ایک شعر میں ان کے اسوۂ حسنہ کو اہل وفا کا مسلک بتاتے ہوئے کہتے ہیں۔

''ہم سے پوچھو ہم بتائیں مسلک اہل وفا
اسوۂ شبیر و شبر پر نظر رکھتے ہیں ہم''

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۳۰)

ایک شعر میں 'عزم شہ کربلا' کو سلام عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''بدلے ہوئے حالات میں یہ دور یزیدی
پھر عزم شہ کرب و بلا مانگ رہا ہے''

(مدحت کے پھول، ص ۱۱۹)

✪ حضرت سیدہ زینب حضرت فاطمہ زہرا کی صاحبزادی تھیں جو معرکہ کربلا میں حضرت

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھیں۔ اس معرکہ میں ان کے دونو عمر بیٹے بھی شہید ہوئے۔ میدان کربلا میں حضرت امام حسین اور ان کے افقاء کی شہادت کے بعد اس لٹے پٹے قافلے کی سالاری عابد بیمار اور حضرت زینب کے حصے میں آئی تھی۔ آپ نے دربار یزید میں بے مثال جرأت و شجاعت کا ثبوت پیش کیا اور اپنے خاندان کے فضائل و مناقب بیان کئے۔ واقعات کربلا میں ان کا ذکر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے فضائل و مناقب اور جرأت و ہمت کے بیان پر مستقل مراثی اور مناقب لکھے گئے ہیں۔ حامدؔ امروہوی نے ان کے مناقب بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔

''اور کیا عرض کروں آپ سے کیا ہے زینبؓ
یہ سمجھئے لب حیدر کی صدا ہے زینبؓ
ہر جفا سہہ کے بھی مصروف دعا ہے زینبؓ
بخدا محرم اسرار خدا ہے زینبؓ
آج بھی جن سے ہے کاشانہ ایماں روشن
ایسے پُرنور چراغوں کی ضیا ہے زینبؓ
قافلہ زیست کا بھٹکے گا نہ اب راہوں میں
رہ نمائی کے لئے راہ نما ہے زینبؓ
ہم کو تاریخ کے اوراق پتہ دیتے ہیں
فاتح معرکۂ کرب و بلا ہے زینبؓ''

(مدحت کے پھول، ص ۱۹۱)

✪ واقعہ کربلا میں بچ جانے والے خاندان رسالتمآب ﷺ کے واحد مرد حضرت علی بن حسین ہیں جو اپنی شدید بیماری کی وجہ سے معرکہ کربلا میں شریک نہ ہو سکے تھے لیکن گرفتار کر کے یزید کے دربار میں پابہ زنجیر پیش کئے گئے تھے۔ وہاں آپ نے خاندانی جرأت و شجاعت کا ثبوت پیش کیا اور یزید کی بیعت نہیں کی۔ ایک عرصہ تک قید و بند کی مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد

آپ رہا ہو کر خاندان کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آ گئے تھے جہاں آپ نے تمام زندگی عبادت و ریاضت میں بسر کی اور حکومت و سیاست سے دور و نفوری رہے۔ کثرت عبادت نے آپ کو "زین العابدین" اور کثرت سجدہ نے سید سجاد کے القاب سے ملقب کرا لیا تھا۔ اب آپ کو امام زین العابدین ہی کہا جاتا ہے۔

حامد امروہوی نے ان کی مدح کرتے ہوئے کہا ہے۔

"محشر میں مجھے جام جو کوثر کا ملا ہے
یہ حضرت سجاد کی مدحت کا صلا ہے
یہ کون و مکاں جس کی مہک سے ہیں معطر
گلزار امامت میں وہ گل آج کھلا ہے
یہ طوق یہ زنجیر مشیت تھی و گرنہ
پتہ بھی بغیر ان کے ہلائے نہ ہلا ہے
یہ ابن سخی، ابن سخی، ابن سخی ہیں
جس کو جو ملا ہے وہ اس در سے ملا ہے
شک اس میں نہیں یہ مرا ایمان ہے حامد
اس گھر کی وِلا شافع محشر کی وِلا ہے"

(مدحت کے پھول، ص ۱۹۵)

○ قرب قیامت میں امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ وہ کفر و شرک کو مٹا کر دنیا کو اسلام اور عدل و انصاف سے معمور کر دیں گے۔ وہ امام حسین کی اولاد اور بنو فاطمہ میں سے ہوں گے اور اسی دور میں ان کی ولادت ہوگی۔ چالیس سال کی عمر میں وہ اپنے امام مہدی ہونے کا دعویٰ اور اعلان خانہ کعبہ میں فرمائیں گے۔ تمام مسلمان ان کے گرد جمع ہو جائیں گے اور وہ ان کی متحد و طاقت سے کفار و مشرکین کا مقابلہ کر کے ان کو شکست فاش دیں گے اور اسلامی حکومت قائم کر کے خلیفہ راشدین کی طرح حکومت کریں گے۔

یہ اہلسنت کا عقیدہ ہے۔اس سلسلہ میں شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ امام مہدی کا ظہور تو ہو چکا ہے۔وہ ائمہ اثناعشر کے آخری امام ہیں اور ضرورتاً و مصلحتاً اوائل عمر میں ہی روپوش ہو گئے تھے۔

۱۵ر شعبان کو ان کا یوم ولادت منایا جاتا ہے اور ان سے جلد ظاہر ہونے کی دعائیں و التجائیں کی جاتی ہیں۔اس سلسلہ کی کچھ مخصوص دعائیں اور مناجاتیں ہیں جن کو مخصوص اوقات میں پڑھا جاتا ہے اور گریہ وزاری کے ساتھ ان کے ظہور کی دعا کی جاتی ہے۔یہ یقین کیا جاتا ہے کہ ان کی حکومت میں مکمل اسلام اور عدل و انصاف رائج ہوگا۔

حامد امروہوی نے ''سیدنا امام مہدی'' کے عنوان سے آٹھ اشعار میں ان کی مدح کی ہے۔یہ منقبت انھوں نے غالباً کسی شیعہ محفل کے لئے لکھی ہے اس لئے اس میں شیعہ عقائد کی بازگشت محسوس ہوتی ہے۔ان کے اشعار مندرجہ ذیل ہیں۔

''حسرت دید نگاہوں میں بسا رکھی ہے
ایک دن آئیں گے وہ، آس لگا رکھی ہے
ہم ابھی آتے ہیں، آتے ہیں ، یہی کہہ کہہ کر
اہل ایمان کی امید بندھا رکھی ہے
رونق بزم کو کچھ اور بڑھانے کے لئے
ایک تصویر مصور نے سجا رکھی ہے
اپنے دل میں تری یادوں کو بسا کر مولیٰ
میں نے اک اور ہی کعبہ کی بنا رکھی ہے
جانے یہ کیوں ہے کہ اب تک تری تصویر جمیل
پردۂ غیب میں قدرت نے چھپا رکھی ہے
میری دنیا میں اندھیروں کا گزر کیا ہوگا
میں نے اک شمع وفا دل میں جلا رکھی ہے
ان کی غیبت میں گزارے کے سہارے کے بطور
بزم دل اُن کے تصور سے سجا رکھی ہے

میں نے محشر میں شفاعت کے لئے اے حامدؔ
الفت آل نبی دل میں بسا رکھی ہے"

(مدحت کے پھول،ص۱۹۶-۱۹۷)

اہلبیت کی مجموعی مدح ومنقبت

افراد اہل بیت کی انفرادی مدح کے ساتھ حامدؔ امروہوی نے اہل بیت اطہار کی بحیثیت مجموعی بھی مدح کی ہے اور ان کے مناقب بیان کئے ہیں۔ پہلے مجموعہ کلام۔"مدحت کے پھول" میں اہل بیت اطہار، کے عنوان سے کہتے ہیں:

نبی کی آل سے وابستگی ایمان کی جاں ہے
جوان کے ہیں کسی مشکل سے گھبرایا نہیں کرتے
خزاں اور گلشن زہرا، ارے توبہ، معاذ اللہ
یہاں جو پھول کھلتے ہیں وہ مرجھایا نہیں کرتے

(مدحت کے پھول،ص۱۸۹)

حامدؔ ہوں زیر سایۂ دامان اہل بیتؑ
کیا فکر مجھ کو گردش لیل و نہار کی"

(مدحت کے پھول،ص۱۳۵)

"مداح اہل بیت ہوں، حامدؔ ہے میرا نام
اللہ !میرا حشر ہو آل نبی کے ساتھ"

(مدحت کے پھول،ص۱۳۶)

"مدحت بیاں ہوئی ہے جہاں اہل بیت کی
ان کو بہار باغ رسول خدا کہا"

(خیابان ارم،ص۲۶)

''نبی سے ہے اگر الفت کا دعویٰ
محبت کیجئے آل نبی سے''

(وسیلۂ بخشش، ص ۷۳)

''میں بھی پڑا ہوں راہ میں اے مخزن کرم
مجھ کو بھی اہل بیت کا صدقہ نصیب ہو''

(جو یبار بخشش، ص ۱۸۰)

اصحاب کرام واہل بیت اطہار کی مشترکہ مدح ومنقبت

اہل ایمان صحابہ کرام واہل بیت اطہار دونوں کی ہی عزت وعظمت کو سمجھتے ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں اوران کی مدح ومنقبت کو جزو ایمان مانتے ہیں۔

ان کے صرف ایک ہی پنجتن پاک محمد ﷺ، علی، فاطمہ، حسن اور حسین نہیں ہیں بلکہ دوسرے پنجتن پاک محمد ﷺ ابوبکر، عمر، عثمان وعلی بھی ہیں۔

ان کے نزدیک دونوں گروپ مبارک، محترم ومقدس ہیں۔ ایک کی قیمت پر دوسرے گروہ کو کم یا زیادہ نہیں گردانا جاسکتا۔ ہر ایک کا اپنا الگ مقام اور حیثیت ہے۔ سبھی بزرگ ومحترم ہیں۔ سبھی کی عزت وعظمت کو ملحوظ رکھنا اور ان سے الفت رکھنا اہل ایمان اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اسی لئے حامد امروہوی نے اپنے کچھ اشعار میں دونوں کی مجموعی حیثیت سے بھی مدح کی ہے، ان کے مناقب بیان کئے ہیں، اوران کے واسطے اور وسیلے سے طلب کیا ہے۔

''کیوں نہ صدقے ہوں صحابہ اور اہل بیت پر
ان کی سیرت میں نظر آتی ہے سیرت آپ کی''

(خیابان ارم، ص ۵۰)

''اصحاب کی ہے بات کہیں ذکر اہل بیت
روشن ہیں یہ ورق مرے دل کی کتاب میں''

(خیابان ارم، ص ۵۸)

"اصحاب باوفا کا اتارا ملے مجھے
سرکار اہل بیت کا صدقہ نصیب ہو"

(خیابان ارم، ص ۹۵)

"محشر کے دن اگر تمہیں ان کی شفاعت چاہیے
آل واصحاب شہ دیں سے محبت چاہیے"

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۴۶)

بزرگان دین واولیاء عظام کی مدح ومنقبت

● سرتاج الاولیاء حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم حسنی وحسینی سید، ولی کامل اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے بانی ہیں۔ سلاسل تصوف میں قادریہ سلسلہ ہی سب سے بڑا سلسلہ ہے۔ صفدر مرحوم بھی اسی سلسلے سے منسلک ہیں اس لئے حضرت غوث اعظم کی مدح ومنقبت ان کے قرطاس میں بطور خاص ہے۔ انھوں نے اس فرض کو مندرجہ ذیل الفاظ وانداز میں ادا کیا ہے۔

کون سمجھے، کون جانے عزو جاہ غوث پاک
یہ مہ و انجم ہیں سب ذرات راہ غوث پاک
شاہ جیلانی سے نسبت ہو تو پھر کیا چاہیے
ہے خدا اس کا کہ ہے جس پر نگاہ غوث پاک
یوں سمجھو اس کو شفیع حشر کا سایہ ملا
جس کو مل جائے سر محشر پناہ غوث پاک
راہ حق سے وہ بھٹک جائے یہ ممکن ہی نہیں
جو شہ دیں تک پہنچ جائے براہ غوث پاک
میری آنکھوں کی تمنا بھی بر آئے ایک دن
کاش یہ بھی دیکھ لیں آرام گاہ غوث پاک

قادری نسبت پہ اپنے فخر ہے حامدؔ مجھے
ناز کرتا ہوں کہ ہوں زیر پناہ غوث پاک

(مدحت کے پھول، ص ۱۹۹)

''مجھ کو شاہ جیلاںؒ سے نسبت غلامی ہے
ان کا نام لیوا ہوں جن پہ مہر باں وہ ہیں''

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۱۰)

''شمع عشق مصطفیٰ کی لو بڑھانے کے لئے
شاہ جیلاں، غوث اعظمؒ سے محبت چاہیئے
قادری ہوں، قادری نسبت پہ اپنی ناز ہے
اور اسی نسبت سے حامدؔ مجھ کو شہرت چاہیئے''

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۴۶)

✪ خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری برصغیر میں خواجہ غریب نواز کے نام سے معروف ہیں۔ برصغیر میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت بڑی حد تک آپ ہی کی مرہون منت ہے۔ اسی لئے آپ کی شہرت و مقبولیت ارفع و اعلیٰ پیمانے پر ہے۔ اہل تصوف کے نزدیک برصغیر کے اصل بادشاہ آپ ہی ہیں۔ اسی مناسبت سے آپ کی مدح و منقبت کی جاتی ہے۔ حامدؔ امروہوی نے آپ کی منقبت میں درج ذیل اشعار پیش کئے ہیں۔

''آرزو دل میں اگر یہ ہے کہ سلطانی کرو
خواجۂ ہندالولی کے در کی دربانی کرو
سر خروئی چاہیئے تم کو اگر کونین میں
ان کے در پہ جا کے خاک آلود پیشانی کرو
عندلیبو آؤ یہ خواجہ کا اذن عام ہے
گلستان معرفت میں زمزمہ خوانی کرو

اپنے خاندانِ طریقت سے محبت چاہیے
چاہتے ہو آگ دوزخ کی اگر پانی کرو
بات تو جب ہے کہ مستقبل بناؤ تابناک
یہ بھی کیا ماضی کی ہر دم مرثیہ خوانی کرو
راستوں کے پیچ و خم میں گم نہ ہو جاتا کہیں
کاروانِ دل کی اے حامد نگہبانی کرو"

(خیابانِ ارم ص ۳۰)

"خیابانِ ارم" میں یہ منقبت دو زائد اشعار کے ساتھ ہے۔ اس میں آغاز حضرت غوث الوریٰ کی منقبت کے ساتھ اس شعر سے ہوا ہے

"اس طرح پیدا ہر ایک مشکل میں آسانی کرو
حضرت غوث الوراء کی منقبت خوانی کرو"

دوسرے تیسرے اور چوتھے شعر کے بعد پانچواں شعر اس طرح ہے

"حق نے بھیجا ہے تمھیں مشکل کشائی کے لیے
دور حضرت ہم غلاموں کی پریشانی کرو"

(خیابانِ ارم ص ۳۰-۳۱)

دونوں عظیم المرتبت بزرگوں۔ حضرت غوث اعظمؒ اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی مدح کرتے ہوئے کہتے ہیں

"غوث کی میرے بات نرالی
شان انوکھی خواجہ جی کی"

(خیابانِ ارم ص ۲۸)

○ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ چشتی سلسلے کے مشہور و معروف بزرگ ہیں۔ دہلی کا وہ بڑا علاقہ انھیں سے منسوب ہے جہاں آپ کا مزار مقدس ہے۔ بلاشبہ خواجہ دہلی ہیں۔ ان کے بہت ہی عزیز اور چہیتے مرید اور بہت بڑے صاحب طرز فارسی ادیب و شاعر

حضرت امیر خسرو تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی منقبت میں حامدؔ کہتے ہیں۔

انھیں زیبا ہے شان کج کلاہی جنھیں کہتے ہیں محبوب الٰہی
میسر ہوگی مجھ کو دیدان کی اثر لائیگی آہ صبح گاہی
یہ خسرو خسرو ملک سخن ہیں یہ ہیں محبوب محبوب الٰہی

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۴۷)

✪ حضرت الحاج سیّد قربان حسن شاہ صاحب علیہ الرحمہ قادری سلسلے کے عظیم المرتبت بزرگ اور حامدؔ امروہوی کے پیرومرشد تھے۔ انھوں نے اپنے پیرومرشد کی مدح ومناقب بیان کرنے کے ساتھ ان سے التماس والتجا بھی کی ہے اور مدد کی درخواست بھی۔

مر سکے گا سکوں سے دیوانہ نزع کے وقت آپ آجانا
بخشوانے شفیع محشر سے اپنے ہمراہ مجھ کو لے جانا
مجھ کو نسبت ہے شاہ قرباں سے میرا ممکن نہیں بھٹک جانا
ان کے دامن سے ہو کے وابستہ ہوں غم دوجہاں سے بیگانہ
اس طرف بھی نگاہ لطف و کرم لے کے آیا ہوں دل کا نذرانہ
مئے عرفاں کا جام دے ساقی رہے آباد تیرا مے خانہ
آپ کے در کا ہوں گدا میں بھی مجھ پہ بھی اک نظر کریمانہ
رونقیں میرے دل کی تم سے ہیں تم نہیں ہوتو ہے یہ ویرانہ
محرم حسن کائنات ہیں ہم ہم نے دیکھا ہے روئے جانانہ

شاہ قربان کی یاد ہے حامدؔ
جس سے روشن ہے دل کا کاشانہ

(مدحت کے پھول، ص ۲۰۰-۲۰۱)

حاجی قربان شاہ کیا کہنا اے مرے کج کلاہ کیا کہنا
آپ پر عزو جاہ صدقے ہیں آپ کا عزو جاہ کیا کہنا
آپ شیخوں کے شیخ ہیں آقا آپ شاہوں کے شاہ کیا کہنا

آ کے جانے کو دل نہیں کرتا　　آپ کی بارگاہ کیا کہنا
ہاتھ پھیلے نہیں گداؤں کے　　اے مرے بادشاہ کیا کہنا
ان کے صدقے میں خوب ہوتی ہے　　زندگی سے نباہ کیا کہنا
ان کی بخشش کا کیا ٹھکانا ہے　　ہیں گدا بادشاہ کیا کہنا
یاد سے جن کی زندگانی ہے　　یادان کی گناہ کیا کہنا

مجھ کو حامدؔ بنا گئی حامد
ان کی پہلی نگاہ کیا کہنا

(مدحت کے پھول، ص۲۰۲-۲۰۳)

ساتویں اور آٹھویں شعر کو چھوڑ کر یہ منقبت ''جو یبار بخشش''۔ ص ۲۳۸ پر بھی شائع ہوئی ہے۔ انتہائی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''بھیک ملتی ہے جو حامدؔ در قرباں سے مجھے
اس سے میرا مرے گھر بھر کا بھلا ہوتا ہے''

(مدحت کے پھول، ص ۲۰۸)

✪ حضرت محمد مودود احمد الرشیدی القادری عرف بابا صاحب علیہ الرحمہ بزرگان دین میں سے تھے اور حامدؔ امروہوی کے ممدوح ہیں۔ انھوں نے حضرت بابا صاحب کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا ہے۔

''ہیں محرم اسرار نہاں حضرت مودود
اللہ کی رحمت کا نشاں حضرت مودود
اولاد میں شامل ہیں شہ کون و مکاں کی
پروردۂ مخدوم جہاں حضرت مودود
دنیا میں بھی محبوب تھے، عقبیٰ میں بھی محبوب
ہیں ساکن گلزار جناں حضرت مودود

اللہ کی قدرت سے شہ دیں کے کرم سے
الطاف بداماں ہیں یہاں حضرت مودود
وہ راہبر منزل عرفان و یقین ہیں
ہیں قاطع ہر و ہم و گماں حضرت مودود
جو بات اٹھا دیتی ہے پردے دردل کے
اس بات کو کرتے ہیں بیاں حضرت مودود
جس بزم میں شرکت کی فرشتوں کو طلب ہے
حآمد نظر آتے ہیں وہاں حضرت مودود

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۵۲-۱۵۳)

✪ شکاگو مین جناب انصار احمد رشیدی علیمی القادری اپنے بزرگوں کی سالانہ فاتحہ وعرس اجتماعی طور پر کرتے ہیں۔ اس موقع پر حآمد امروہوی نے ان کے بزرگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک منقبت پیش کی تھی جو حسب ذیل ہے۔

غموں سے چور دلوں کو نہال کرتے ہیں
میرے حضور کرم بے مثال کرتے ہیں
یہی نہیں کہ گدا عرض حال کرتے ہیں
یہاں تو شاہ بھی آکر سوال کرتے ہیں
ہیں بے مثال نبی کے جو بے مثال غلام
کرم، سخا و عطا بے مثال کرتے ہیں
بس اک نگاہ میں کرتے ہیں فیصلے دل کے
نبی کے چاہنے والے کمال کرتے ہیں
ہمارے غم کا کوئی بھی نشاں نہیں ملتا
جب ان کی چشم کرم کا خیال کرتے ہیں

چلو چلیں در اشرف پہ مانگنے کے لئے
کرم ہر ایک پہ وہ حسب حال کرتے ہیں
ملے ہمیں بھی جلال و جمال کا صدقہ
سنا ہے آپ تو سب کا خیال کرتے ہیں
محمد احمد و مودود کے وسیلے سے
درعلیم پہ جا کر سوال کرتے ہیں
ہمارا کام ہے آقا سے مانگنا حامد
ہم ان سے ان کے کرم کا سوال کرتے ہیں
نبی کے عشق کی دولت سے سچ ہے یہ حامد
ہیں اولیاء جو ہمیں مالا مال کرتے ہیں

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۴۸-۱۴۹)

○ بزرگان دین اور اولیاء کرام کے حضور ایک عمومی منقبت ان کے آخری مجموعہ کلام "وسیلۂ بخشش" میں پائی جاتی ہے جو اس طرح ہے۔

جان و دل ان پہ فدا کیوں نہ کریں
اپنے نالوں کو رسا کیوں نہ کریں
داغ دھونے ہیں گناہوں کے ہمیں
اشک آنکھوں سے بہا کیوں نہ کریں
جو مدینے کی طرف جاتی ہوں
ایسی راہوں پہ چلا کیوں نہ کریں
واسطہ دے کے خدا والوں کا
حق تعالیٰ سے دعا کیوں نہ کریں
شہ کونین سے نسبت ہے انھیں
درخواجہ پہ صدا کیوں نہ کریں

رہبر راہ طریقت یہ ہیں
ان کی راہوں پہ چلا کیوں نہ کریں
یہ سخی ابن سخی ابن سخی
یہ عطاؤں پہ عطا کیوں نہ کریں
آل سرکار دوعالم ہیں یہ
ان سے پیمان وفا کیوں نہ کریں
ہم کہ حامدؔ ہیں عقیدے کے کھرے
شعر پھر ایسے کہا کیوں نہ کریں

(وسیلۂ بخشش، ص۱۵۰-۱۵۱)

دراصل حامدؔ امروہوی اہل اللہ، بزرگان دین اور اولیائے کاملین سے سچی عقیدت ومحبت رکھتے ہیں اور انھیں کے واسطے و وسیلے سے مغفرت ورحم کے طلب گار ہوتے ہیں اسی لئے رہبران شریعت و پیران طریقت سے الفت ومحبت رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔

اپنے پیران طریقت سے عقیدت رکھئے
خلد میں جانے کا حامدؔ یہی زینہ ہوگا

(مدحت کے پھول، ص۱۱۲)

○■○

غزل گوئی

غزل کے لغوی معنی عورتوں سے باتیں کرنا، عورتوں کی باتیں کرنا، عشق ومحبت کی باتیں وغیرہ ہیں لیکن عملاً غزل کا دامن ہمیشہ اس محدود تعریف سے بہت زیادہ وسیع رہا ہے۔ اس میں مذکورہ باتوں کے علاوہ پندو موعظت، اخلاق و نصیحت، فکرو فلسفہ اور شکایت روزگار وغیرہ کی باتیں بھی خوب بیان ہوئی ہیں۔ اسی لئے غزل ہمیشہ سب سے زیادہ محبوب ومقبول صنف سخن رہی ہے۔ اس کے ہر شعر میں ایک جہان معنی پوشیدہ ہوتا ہے اور اکثر قاری اس کے ذومعنی الفاظ سے اپنی پسند کا مطلب اخذ کرلیتا ہے۔

حامد امروہوی بنیادی طور پر نعت ومنقبت کے شاعر ہیں۔ انھوں نے بہت کم غزلیں لکھی ہیں یا پھر اپنے مجموعہ ہائے کلام میں بہت کم شامل کی ہیں۔ ان کی غزلوں کی کل تعداد صرف انیس (۱۹) ہے اور ان میں صرف ۱۴۲ اشعار ہیں۔

ان کے پہلے مجموعہ کلام ''مدحت کے پھول'' میں ''گوشہ غزل'' میں صرف سات غزلیں ہیں اور ان میں بیالیس (۴۲) اشعار ہیں۔

دوسرے مجموعہ کلام ''خیابان ارم، میں صرف تین غزلیں ہیں جن میں ستائیس (۲۷) اشعار ہیں۔ ''جو یبار بخشش'' میں کوئی غزل شامل نہیں ہے۔ چوتھے اور اب تک کے آخری مجموعہ کلام میں ۷۳ اشعار پر مشتمل ۹ غزلیں ہیں۔

حامد امروہوی کی غزلوں میں اخلاق ونصیحت اور فکرو فلسفہ ہی زیادہ ہے۔ رنگین اور شوخ کلام سے انھوں نے اجتناب ہی کیا ہے۔ ان کے کچھ اہم، پسندیدہ اور لائق توجہ اشعار کا جائزہ درج ذیل ہے۔

(۱) محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ محب خود محبوب کے جذبات و احساسات اور احتیاج کو سمجھے، سوال کرنے اور ضرورت بتانے کا موقع نہ دے۔ اس خیال کو حامدؔ صاحب نے اس طرح پیش کیا ہے۔

پرسش غم کی تھی حاجت نہ سوالات کی تھی
خود سمجھتے کہ ضرورت ہمیں کس بات کی تھی

(مدحت کے پھول، ص ۲۰۵)

(۲) ہر شخص پر مشکل دور اور مصیبت کی گھڑی آتی ہے۔ اس وقت اعزاء و اقرباء اور دوست احباب کی طرف نگاہ اٹھتی ہے، ان سے ہمدردی و غم گساری، اور لطف و عنایت کی امید ہوتی ہے یہی وقت سچی محبت اور دوستی کے امتحان کا وقت ہوتا ہے لیکن اس موقع پر بہت کم لوگ کھرے اترتے ہیں۔ اکثر یہی دیکھا جاتا ہے کہ ایسے موقع پر لوگ منہ پھیر لیتے ہیں اور کنارا کر لیتے ہیں۔ اس حقیقت کو حامدؔ صاحب نے اس طرح پیش کیا ہے۔

سب سے پہلے وہی منہ موڑ گئے اے حامدؔ
جن سے امید ہمیں لطف و عنایات کی تھی

(مدحت کے پھول، ص ۲۰۵)

اسی لئے حامدؔ کا یہ مشورہ بڑا ہی صائب ہے۔

ہر کسی سے نہ رکھ امید کرم
زندگی چین سے بسر ہوگی

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۹۸)

(۳) آگ کو پانی سے ہی بجھایا جا سکتا ہے۔ عشق کی آگ جب بھڑکتی ہے اور اس کے شعلے جب دل کو جلا کر خاک کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت آنسو اس آگ کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔ آنسو نہ صرف دل کے بوجھ کو ہلکا کر دیتے ہیں بلکہ وقتی تسلی و تشفی کا مرہم بھی لگاتے ہیں۔ اس کیفیت کو حامدؔ امروہوی نے اس طرح پیش کیا ہے۔

آگ جو دل میں محبت کی لگی ہے حامد
اس کو اشکوں سے بجھانے میں مزا آتا ہے

(مدحت کے پھول، ص ۲۰۶)

(۴) حنا کی فطرت یہ ہے کہ وہ پسنے اور لگنے کے بعد سرخ رنگ دیتی ہے۔ حامد امروہوی حسن تعلیل سے کام لیتے ہوئے اسے خون شہدا کی سرخی قرار دیتے ہیں۔

چھپ نہیں سکتی شہیدوں کے لہو کی سرخی
ہم کو معلوم ہے کیا رنگ حنا ہوتا ہے

(مدحت کے پھول، ص ۲۰۷)

(۵) مذہب عشق میں تسلیم و رضا کا بڑا اہم مقام ہے۔ ارباب وفا ہمیشہ سر تسلیم خم رکھتے ہیں اور راضی برضا رہتے ہیں۔ ان کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں۔

جو کوئی کشتۂ تسلیم و رضا ہوتا ہے
قبلہ و کعبۂ ارباب وفا ہوتا ہے

(مدحت کے پھول، ص ۲۰۹)

(۶) شکوہ و شکایت آرزو و امید کے پورا نہ ہونے پر ہوتی ہے اور امید ہمیشہ اپنوں سے ہی ہوتی ہے۔ اسی لئے شکایت بھی ہمیشہ اپنوں سے ہوتی ہے۔ جتنی قربت و محبت زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی شکایت بھی شدید ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو حامد امروہوی نے اس طرح شعری پیکر عطا کیا ہے۔

غیر تو غیر ہیں، غیروں سے شکایت کیسی
صرف اپنوں ہی سے اپنوں کا گلہ ہوتا ہے

(مدحت کے پھول، ص ۲۰۹)

(۷) پرسش غم سے غم تازہ اور زیادہ ہو جاتا ہے اس لئے حامد امروہوی چاہتے ہیں کہ یہ زحمت نہ کی جائے تو اچھا ہے۔

زحمت پرسش غم آپ گوارا نہ کریں
پرسش غم سے تو غم اور سوا ہوتا ہے

(مدحت کے پھول، ص۲۰۹)

(۸) دوسروں کی خیر خواہی اور مدد نہ صرف انسان دوستی اور نیکی کی مظہر ہے بلکہ خود اپنے لئے بھی مفید ہے۔ اسی کی نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

گر بھلائی کی تمنا ہے بھلائی کیجئے
کہ بُرا چاہنے والے کا بُرا ہوتا ہے

(مدحت کے پھول، ص۲۰۹)

(۹) ''خیابان ارم'' میں شامل دوسری غزل پند و نصائح پر مشتمل ہے۔ یہ نصیحتیں تجربے و مشاہدے پر مبنی اور مفید و کارآمد ہیں، عمل شرط ہے۔

صورت پہ بھولے بھالوں کی جانا نہ بھائیو
ہم تو فریب کھا چکے، پر تم نہ کھائیو
حرف وفا کو اپنی زباں پہ نہ لائیو
دیکھو، کہیں نہ خود کو تماشا بنائیو
جانا جو ہے ضرور پر اتنا رہے خیال
سورج ڈھلے سے پہلے ہی گھر لوٹ آئیو
ہر موڑ پہ یہاں ہیں لٹیرے چھپے ہوئے
راہ وفا میں دیکھیو تنہا نہ جائیو
کیا جانے کب زمانہ بدل جائے ایک دم
حامدؔ کسی غریب کا دل مت دکھائیو

(مدحت کے پھول، ص۱۵۰-۱۵۱)

(۱۰) روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہی ارواح انسانی سے سوال کیا تھا۔ ''الست بربکم'' (کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں) جواباً تمام ارواح نے ''بلیٰ'' (ہاں) کہہ

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

([illegible]) [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

([illegible]) [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

حامدؔ بھی غم کو عزیز رکھتے ہیں اور اسے یار وفادار سمجھتے ہیں۔

ہر ایک غم کو ترے غم میں ڈھال لیتا ہے
ہمارے دل کو ترے غم سے پیار کتنا ہے

(وسیلہ بخشش، ص۱۹۲)

نہ جانے کیوں خوشی جب بھی ملی ہے
ترے بخشے ہوئے غم یاد آئے

(وسیلہ بخشش، ص۱۹۲)

(۱۳) انسان زندگی کا بیشتر حصہ یادوں کے سہارے بسر کرتا ہے۔ تلخ و شیریں یادیں اس کا دل بہلاتی ، ہیں، تنہائی میں مونس وغم گسار ہوتی ہیں، وقت گزاری کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ کبھی خوش کرتی ہیں تو کبھی رنجیدہ، کبھی سکون وقرار دیتی ہیں تو کبھی بے قرار و بے چین کرتی ہیں۔ کبھی جینے کا حوصلہ اور سلیقہ دیتی ہیں تو کبھی مایوس اور بددل کرتی ہیں۔

اسی لئے ہر شخص کو اپنا ماضی بہت عزیز ہوتا ہے اور ماضی یادوں ہی سے تو عبارت ہے۔ اسی لئے حامدؔ امروہوی نے یادوں کی اہمیت کو بخوبی سمجھا ہے اور مختلف انداز سے ان کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے کیونکہ یادوں اور تصور میں بسی ہوئی شخصیت کبھی دل سے دور نہیں ہوتی، اسے آنکھیں کھول کر نہیں آنکھیں بند کر کے دیکھا جاتا ہے بس اسے دل کے آئینے میں سجائے رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حسرتؔ موہانی نے کیا خوب کہا ہے۔

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
بس ذرا گردن جھکائی، دیکھ لی

حامدؔ امروہوی کہتے ہیں۔

جب آیا ہے علی گڑھ کا تصور
تخیل عاشقانہ ہو گیا ہے
اگر قصے پرانے چھڑ گئے ہیں
تو موسم شاعرانہ ہو گیا ہے

وہی پیش نظر رہتا ہے ہر دم
جسے دیکھے زمانہ ہوگیا ہے

(وسیلۂ بخشش، ص۱۸۴-۱۸۵)

اے تصور ہو تری عمر دراز
فاصلہ فاصلہ نہیں ہوتا

(وسیلۂ بخشش، ص۱۸۶)

ان کی یادوں نے بھٹکنے نہ دیا
ورنہ دنیا میں تماشے تھے بہت

(وسیلۂ بخشش، ص۱۹۱)

بھلانا کب انھیں ممکن ہوا
وہ یاد آئے تو پیہم یاد آئے

(وسیلۂ بخشش، ص۱۹۳)

وہ عالم، ساتھ تھا جن میں تمھارا
بہ ہر عالم وہ عالم یاد آئے

(وسیلۂ بخشش، ص۱۹۴)

کیوں نہ ہر راہ خوب تر ہوگی
آپ کی یاد ہم سفر ہوگی

(وسیلۂ بخشش، ص۱۹۷)

کوئے جاناں کے تذکرے کیجیے
ہجر کی رات مختصر ہوگی

(وسیلۂ بخشش، ص۱۹۸)

کس طرح تم کو بے وفا کہہ دوں
یاد کرتے ہی یاد آئے ہو

(وسیلۂ بخشش، ص۲۰۰)

دم آخر بھی ہے نظر در پر
جاتے جاتے بھی یاد آئے ہو

(وسیلۂ بخشش، ص۲۰۰)

بہت سی یادوں اور تصوروں میں دوسروں کو شریک کیا جاسکتا ہے لیکن کچھ یادیں اور تصورات ایسے ہوتے ہیں جو اپنی ذات کے ساتھ ہی مختص ہوتے ہیں۔ ان میں دوسروں کی شرکت سامان رسوائی پیدا کرسکتی ہے اس لئے ہر شخص ایسی یادوں اور تصورات کو صرف اپنے دل ونگاہ میں محفوظ رکھتا ہے۔ اسی کے پیش نظر حامد کہتے ہیں۔

یہ الگ بات کہ دہرا نہ سکے
یاد تو ہم کو بھی قصے تھے بہت

(وسیلۂ بخشش، ص۱۹۱)

نمی پائیں اگر آنکھوں میں ان کی
سمجھ لیجئے انھیں ہم یاد آئے

(وسیلۂ بخشش، ص۱۹۴)

بات کھل جائے گی زمانے پر
دوستوں کو اگر خبر ہوگی

(وسیلۂ بخشش، ص۱۹۸)

غرض یہ کہ آپ کی غزلیں زندگی کے تجربات ومشاہدات اور مفید وکارآمد باتوں سے عبارت ہیں۔ آپ کے شعر برائے شعر نہیں برائے زندگی ہیں اسی لئے موثر ہیں۔

○■○

متفرق کلام کا جائزہ

''سہرے و تہنیتی نظمیں''

دوسروں کی خوشی وغم میں شریک ہونا، خوشی کے موقع پر مسرت اور غم کے موقع پر اظہار رنج وغم کرنا انسان دوستی اور شریفانہ فعل ہے، تہذیب و شائستگی کی علامت ہے، ایسے مواقع پر شعراء کی شرکت کا اپنا مخصوص انداز ہے۔ وہ شادی کے موقع پر سہرے کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ خوشی کے دیگر مواقع پر بھی ایسی تہنیتی نظمیں کہتے ہیں جن کے ذریعہ اظہار مسرت ہوتا ہے۔ معاملہ اگر شہزادے کی شادی کا ہو تو غالب و ذوق جیسے بڑے شعراء اور استاد شاہ بھی سہرا لکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

سہرا ایک وقتی اور عارضی چیز ہے جس میں رسمی خوشی کے اظہار کے ساتھ قریبی اعزاء و احباب کے نام بھی اس طرح شامل کرنے پڑتے ہیں کہ وہ نام اپنی معنویت کا بھی اظہار کریں اور دولہا یا دولہن سے رشتہ و تعلق کا بھی پتہ دیں۔ ظاہر ہے اس میں خاصی دماغ سوزی درکار ہوتی ہے لیکن اس سے صرف متعلقین ہی محظوظ ہوتے ہیں اور وہ بھی چند ساعت کے لئے اس کے بعد انہیں بھلا دیا جاتا ہے اور یہ طاق نسیاں کی زینت بن جاتے ہیں۔ پھر بھی بعض شعراء ان کے لئے سخت محنت اور دماغ سوزی کرتے ہیں اور صنعت توشیع مکرر میں بھی سہرے لکھتے ہیں۔ اس صنعت کے تحت یہ التزام کیا جاتا ہے کہ پہلے مصرعوں کے اول میں ایسے حرف لائے جاتے ہیں جن کے ملانے سے دولہا کا نام بن جاتا ہے اور دوسرے مصرعوں کا آغاز ان حرفوں سے کیا جاتا ہے جن کے ملانے سے دلہن کا نام بن جاتا ہے۔ ظاہر ہے یہ بڑا دقت طلب اور مشکل کام ہے جس کے لئے بہت زیادہ غور و فکر اور پتہ ماری کی ضرورت پڑتی ہے۔

حامد امروہوی نے روایتی انداز کے سہرے نہیں لکھے اور ان میں ناموں کو لازماً شامل کرنے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ ان کے ذریعہ کوئی پیغام دینے یا ایسے عمومی اور آفاقی شعر کہنے کی کوشش کی ہے جو بہت سے مواقع پر استعمال ہو سکتے ہوں اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان میں بھی نعت کا کوئی پہلو پیش کرنے کا التزام کیا ہے۔ خود کہتے ہیں۔

"حامد پہ یہ کرم ہے خدائے کریم کا
کرتا ہے تہنیت میں بھی مدحت رسول کی

تقاضہ عشق شہ دیں کا ہے یہی حامد
نبی کا ذکر ہمارے ہر اک بیاں میں رہے

یہی ان کے سہروں اور دیگر تہنیتی نظموں کی خصوصیت اور امتیاز ہے۔

ان کے پہلے مجموعہ کلام "مدحت کے پھول میں اس طرح کی کوئی نظم نہیں ہے۔ اس میں حمد و نعت و منقبت اور سلام کے علاوہ صرف چند غزلیں ہیں۔ دوسرے مجموعہ کلام "خیابان ارم" میں اس قبیل کی دو نظمیں ہیں پہلی خواجہ ریاض الدین عطش کے صاحبزادگان کی تقریب ولیمہ میں پڑھی گئی تھی۔ بارہ اشعار کی اس نظم میں لوازم سہرا، بالکل نہیں ہیں۔ ابتدائی اشعار میں پند و موعظت ہے۔ پھر گریز کرتے ہوئے خواجہ صاحب موصوف اور ان کے اہل خانہ کے لئے دعائیہ کلمات ہیں خواجہ صاحب کو انسان دوست اور نیک بندوں میں شمار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

شمار خواجہ عطش کا اسی گروہ میں ہے
سدا جو اپنے پرائے کا غم گسار رہے

خواجہ صاحب کی مزید توصیف کرتے ہوئے ان کے لئے یہ دعائیں کرتے ہیں۔

ترے حبیب کی اولاد میں ہیں یہ شامل
تو کیوں نہ تیرا کرم ان پہ کردگار رہے
عطش کا باغ بزرگوں کے زیر سایہ ہے
تو پھر ہر ایک شجر کیوں نہ سایہ دار رہے

وہ کوئی فصل ہو لیکن عطشؔ ترا گلشن
ہماری دل سے دعا ہے، سدا بہار رہے
ہر ایک چہرہ دمکتا رہے مسرت سے
ہر ایک دور اسی طرح سازگار رہے

خواجہ عطشؔ صاحب سے اپنا تعلق بتاتے ہوئے اس نظم تہنیت کے وجود میں آنے کا سبب بھی بتاتے ہیں۔

''خوشی میں ہم بھی جناب عطش کی شامل ہیں
کہ رشتہ ان سے محبت کا استوار رہے
نہ لکھتا کیسے بھلا نظم تہنیت حامدؔ
عطشؔ کے اس پہ کرم بھی تو بے شمار رہے''

اسی قسم کی دوسری نظم جو سات اشعار پر مشتمل ہے، عزیزی نعمان بیگ ابن جناب لئیق بیگ صاحب کی شادی کے موقع پر پیش کی گئی تھی۔ اسی کے مقطع میں انھوں نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ وہ تہنیت میں بھی مدحت رسول کا پہلو نکال لیتے ہیں۔

مطلع ''نعمان سے ادا ہوئی سنت رسول کی
یارب اسے سند ملے حسن قبول کی

مطلع حامدؔ پہ یہ کرم ہے خدائے کریم کا
کرتا ہے تہنیت میں بھی مدحت رسول کی

حامدؔ امروہوی کے چوتھے اور اب تک کے آخری مجموعہ کلام -''وسیلۂ بخشش'' میں شادی کے موقع پر کہی گئی کئی نظمیں یا سہرے ہیں-

(۱) سید صلاح الدین سکندر صاحب کی صاجبزادیوں شازیہ و نازیہ کی شادی کی تقریب میں پانچ شعر پڑھے گئے تھے۔ ان میں دو بہنوں کے لئے صرف خیر و برکت کی دعائیں ہیں، سہرے یا رخصتی کے مروجہ لوازم نہیں ہیں لیکن یہ دعائیں ایسی ہیں کہ دوسری بہت سی صاجبزادیوں

کو بھی دی جا سکتی ہیں۔

ان بچیوں کی ایک نمونہ ہو زندگی
دنیا مثال دے وہ رفاقت نصیب ہو
آنسو نہ آئیں آنکھ میں میکے کی یاد سے
سسرال میں انھیں وہ محبت نصیب ہو
ان سے جو نسل آگے بڑھے اس کو اے خدا
سرکار کائنات کی الفت نصیب ہو
سسرال میں کچھ ایسے گزاریں یہ زندگی
ماں باپ کے دلوں کو مسرت نصیب ہو

صرف آخری شعر مخصوص ناموں کی وجہ سے اس موقع کے لئے خاص ہو گیا ہے۔

ہے شاز یہ و نازیہ تم کو یہی دعا
دنیا کے ساتھ دین کی دولت نصیب ہو

(۲) جناب نبی رضا خاں کے فرزند عزیزی احمد رضا خاں کی شادی کے موقع پر تیرہ اشعار کا دعائیہ گلدستہ پیش کیا گیا تھا۔ ان میں سے صرف دو شعر۔ چوتھا و پانچواں مخصوص ناموں کی بدولت خصوصی مناسبت لئے ہوئے ہیں۔ باقی گیارہ اشعار ایسے ہیں جو اس طرح کے کسی بھی موقع پر پیش کئے جا سکتے ہیں یعنی یہ عمومی اور آفاقی نوعیت کے ہیں اور مقطع میں نعت کا پہلو اس طرح نکالا ہے کہ اپنی حاضری مدینہ منورہ کو حاصل عمر رواں قرار دے کر اس کا شکریہ ادا کیا ہے۔

دعا ہے نسل ہماری یہاں پھلے پھولے
دیار غیر، مسلماں کو سازگار آئے
تھا ایک دور زمانے میں سرفراز تھے ہم
پھر ایک بار وہی دور خوشگوار آئے
وہ لمحے حاصل عمر رواں ہیں اے حامد
جو لمحے ہم در سرکار پر گزار آئے

(۳) ''تہنیت نامہ'' بہ تقریب عقد مسعود جناب رحیم الدین خاں عرف بابر سلمہٗ فرزند جناب محمد فیاض الدین خاں مرحوم کے عنوان سے اشعار ہیں جن میں متعدد ناموں کے التزام نے اسے روایتی سہرے کی خصوصیت عطا کی ہے لیکن مطلع حمد و نعت کا حق ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

چمن چمن ہیں کھلے رب کی رحمتوں کے گلاب
روش روش ہیں شہ دیں کی شفقتوں کے گلاب

O■O

تہنیتی نظمیں

شادی کے علاوہ خوشی و مسرت کے اور بھی بہت سے مواقع ہوتے ہیں اور تقریبات منائی جاتی ہیں۔ بچوں کی بسم اللہ خوانی پر عقیقہ پر ختم قرآن پر سفر حج سے واپسی پر، کسی کتاب کے اجراء کے موقع پر، کسی کی آمد اور اس کے اعزاز میں بھی تقریبات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ایسے کئی مواقع پر حامدؔ امروہوی نے اپنے اشعار سے شرکاء و سامعین کو محظوظ کیا ہے اور اپنی مذکورہ خصوصیت کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔

(۱) ''عزیزی آمنہ بنت جناب نبی رضا خاں صاحب کی تقریب بسم اللہ کے لئے کہے گئے چند شعر'' کے عنوان سے سات اشعار ''وسیلۂ بخشش'' میں شامل ہیں۔ ان میں دعائیں بھی ہیں اور نیک خواہشات کا اظہار بھی۔ مقطع نبی رضا صاحب سے تعلق خاطر کا مظہر ہے۔

کلام حق کا یہ پہلا سبق مبارک ہو
یہ ابتدا بڑی اچھی ہے انتہا کے لئے
ملے وہ علم جو دے فائدہ زمانے کو
بھلے سے کام کرو دین مصطفیٰ کے لئے
وہ خوبیاں ہوں تمھاری مثال دے دنیا
نشان راہ بنو اہل قافلہ کے لئے
پڑھے ہیں شعر جو محفل میں آج حامدؔ نے
نبی رضا ہیں فقط آپ کی رضا کے لئے

(۲) ''جناب مرزا لئیق بیگم صاحب کی پوتی عزیزی ضحی سلمہا کے لئے ان کی رسم بسم اللہ پر پڑھے'' کے عنوان سے سات اشعار ''وسیلۂ بخشش، میں ہیں۔ ان میں بھی دعائیں، نیک خواہشات کا اظہار اور خوشی و مسرت کا بیان ہے۔

قبول اس طرح ماں باپ کی دعا ہوگی
کلام حق سے پڑھائی کی ابتدا ہوگی
کلام حق کی تلاوت کے بعد مانگے گی
قبول کیوں نہ ضحٰی کی ہر ایک دعا ہوگی

(۳) ''عزیزی سفیان بیگ سلمہ نبیرہ جناب سید صلاح الدین سکندر کی رسم عقیقہ پر پڑھے گئے'' اس عنوان سے سات اشعار ہیں جن میں دعائیں ہیں، نیک خواہشات ہیں اور مقطع میں نعت بھی ہے۔

تقاضہ عشق شہہ دیں کا ہے یہی حامدؔ
نبی کا ذکر ہمارے ہر اک بیاں میں رہے

(۴) ''محترم المقام جناب سید جعفر محی الدین قادری مدظلہہ العالی کے نبیرہ عزیزی سید عکاشہ سلمہ کی رسم قرآن خوانی کی محفل میں پڑھے گئے'' اس عنوان سے ''خیابان ارم'' میں دس اشعار ہیں۔نو اشعار میں عکاشہ سلمہٗ کے لئے دعائیں ہیں اور مقطع میں خود اپنے لئے مغفرت و جنت کی خواہش و دعا ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ حامدؔ کو حشر میں
آل نبی کے صدقے میں جنت عطا کرے

(۵) ''محترم المقام قاضی محمد افضل بیابانی مدظلہہ کے صاحبزادے عزیزی شکیب بیابانی سلمہٗ کے حفظ قرآن پاک پر کہے'' اس عنوان سے ''وسیلۂ بخشش'' میں پانچ اشعار ہیں جن میں شکیب سلمہٗ کے لئے دعائیں اور نیک تمنائیں ہیں۔

(۶) ''عازم حرم پاک'' کو مخاطب کر کے اسے دعا بھی دیتے ہیں اور اس سے اپنے لئے دعا کی التجا بھی کرتے ہیں۔

''خدا تم کو اپنی حفاظت میں رکھے
دیار حبیب خدا جانے والو
دعاؤں میں اپنی ہمیں یاد رکھنا
دعاؤں کا اپنی صلہ پانے والوں''

(۷) ''محترم ڈاکٹر حبیب الدین احمد مدظلہ کے سعادت حج سے بہرہ ور ہونے پر بطور مبارک باد کہے گئے'' اس عنوان سے ''خیابان ارم'' میں بارہ اشعار ہیں۔ ان اشعار میں دیدار مدینہ، منورہ پر اظہار مسرت بھی ہے۔ مدینہ منورہ کی منقبت بھی ہے اور مقطع میں حاضری مدینہ منورہ کی آرزو اور دعا بھی ہے۔

وہ سب کے ہیں حاجت روا، دیکھ آئے
تھے اک صف میں شاہ و گدا دیکھ آئے
قسم جس کی قرآں میں کھائی خدا نے
وہ شہر حبیب خدا دیکھ آئے
فرشتے جہاں دست بستہ کھڑے تھے
وہ دربار خیرالوراء دیکھ آئے
جہاں کی زمیں رشک خلد بریں ہے
وہ کوچے، وہ شہر و فا دیکھ آئے
جہاں سے گزرتے تھے سرکار میرے
خوشا آپ وہ راستہ دیکھ آئے
جہاں ہر گھڑی عاصیوں کے سروں پر
برستا ہے ابر سخا دیکھ آئے
ہوا کس طرح دل کا ارمان پورا
اثر کیسے لائی دعا دیکھ آئے
ترستی تھیں جس کے نظارے کو نظریں
جو آنکھوں کا مقصود تھا دیکھ آئے
جسے دیکھنے سے ہوں بیمار اچھے
مبارک وہ دارالشفا دیکھ آئے
رہ درسم راہ وفا سے گزر کر
حریم شہ دوسرا دیکھ آئے

حبیب آپ کو یہ سعادت مبارک
دیار حبیب خدا دیکھ آئے
دعا کیجئے گا کہ حامد بھی اک دن
درشاہ خیرالوراء دیکھ آئے

(۸) قاضی محمد افضل بیابانی مدظلہ کے دولت کدے پر موئے مبارک کی زیارت کے لئے ایک محفل راستہ کی گئی تھی۔ اہل عقیدت و محبت کے لئے یہ خوشی و مسرت کا موقع تھا اس موقع کی مناسبت سے حامد صاحب نے درج ذیل چار اشعار پیش کر کے اپنی عقیدت و محبت کا ثبوت دیا تھا۔

موئے اقدس کی دید ہوتی ہے ہم غریبوں کی عید ہوتی ہے
کیوں نہ قطرے سکون دیں ان کو پیاس جن کی شدید ہوتی ہے

بیمار محبت کو حاصل اس طرح دوا ہو جاتی ہے
کشتی کو کنارا ملتا ہے ایماں کی جلا ہو جاتی ہے
سرکار کے موئے اقدس کی کرنے سے زیارت اے حامد
آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں، تجدید وفا ہوجاتی ہے

(خیابان ارم، ص ۱۰۷)

(۹) دیار غیر میں کچھ پُر جوش اہل ایمان تعمیر مسجد کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے۔ ان کے عزم و ہمت کو سلام کرنے اور انھیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے حامد امروہوی نے درج ذیل تین اشعار کہے تھے۔

یہ لوگ جو تعمیر میں مسجد کی لگے ہیں
کیا خوب ہیں کیا خوب ہیں کیا خوب ہیں یہ لوگ
اخلاص ہے ہر کام میں روشن ہیں جبینیں
اک بارگہ نور سے منسوب ہیں یہ لوگ
ان لوگوں کے بارے میں یقیں ہے مرے دل کو
اللہ کے محبوب کے محبوب ہیں یہ لوگ

(وسیلہ بخشش، ص ۱۵۴)

اجرائے کتب کے موقع پر

کتابوں کے اجراء کے مواقع پر بھی جشن وتقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ شعراء اپنے مخصوص انداز میں اور شعری زبان میں اظہار مسرت کرتے ہیں اور مبارکباد دیتے ہیں۔ حامدؔ امروہوی کے کلام میں ایسے مواقع پر پیش کی گئی متعدد نظمیں ہیں۔ یہ نظمیں عموماً امریکی شعراء وادباء کی کتابوں کے رسم اجراء کے موقع پر وہیں کہیں گئیں ہیں۔

(۱) ۲۰ مئی ۱۹۹۵ء کوشکاگو میں اپنے پہلے مجموعہ کلام ''مدحت کے پھول'' کی رسم اجراء کے موقع پر انھوں نے چودہ اشعار پیش کئے تھے جن میں اصلاً تو نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بیان کی گئی ہے، ضمناً مجموعہ کلام شائع ہونے، مداح رسول ﷺ ہونے کا شرف پانے اور نعت گوئی کو توشۂ آخرت سمجھنے پر اظہار تشکر کیا گیا ہے۔

واہ کیا شان مصطفائی ہے — بزم کو نین جگمگائی ہے
درِاقدس سے آشنائی ہے — یہ مرے بخت کی رسائی ہے
وہ خدا کے ہیں اور خدا ان کا — ان کے صدقے میں یہ خدائی ہے
ہے تصور میں گنبد خضرا — دل بے تاب کی بن آئی ہے
ہوگئیں میری مشکلیں آساں — جب کہا یا نبی دہائی ہے
اپنی قسمت پہ کیوں نہ اترائیں — جن کو حاصل تری گدائی ہے
ہم سے بگڑی بنی بنائی بات — تم نے بگڑی ہوئی بنائی ہے
رحمت حق ہے گوش بر آواز — نعت سرکار لب پہ آئی ہے
ہوں گرفتار گیسوئے والا — یہ اسیری نہیں رہائی ہے
ان کی 'مدحت کے پھول' ہیں جن سے — آج کی بزم یہ سجائی ہے
ہو رہی ہے یہ 'بارش افضال' — میرے دیواں کی رونمائی ہے

اللہ اللہ میرا ''جذب سخن'' ان کی مدحت سے آشنائی ہے
'توشہ آخرت' کہو اس کو عمر بھر کی یہی کمائی ہے
ان کا مداح بن گیا حامدؔ
خوبی بخت رنگ لائی ہے

(۲) دوسرے مجموعہ کلام ''خیابان ارم'' کے اجراء کے موقع پر دو شعر کہے گئے تھے۔

جلوے نظر آتے ہیں اللہ کی قدرت کے
ہے ان کا کرم مجھ پر لمحے ہیں مسرت کے
سرکار کی خدمت میں میں پیش کروں جا کر
جنت کی کیاری میں جو پھول ہیں مدحت کے

(۳) محترم سید شمیم رجزؔ صاحب مقیم لاس اینجلس کی تصنیف ''میر کارواں'' کی رونمائی پر کہے گئے اشعار، کے عنوان سے ''وسیلۂ بخشش'' میں پانچ اشعار ہیں۔ ان میں موصوف وممدوح کے لئے دعائیں بھی ہیں اور حق نعت ادا کرنے کی کوشش بھی۔

تم پر رہے مولا کا کرم اور زیادہ
مدحت کرو آقا کی رقم اور زیادہ
تم جاہ وحشم والے کی کرتے ہو گدائی
پھر کیوں نہ بڑھے جاہ وحشم اور زیادہ
دینا میں بھی وہ دیتے ہیں مداح کو عزت
عقبیٰ میں تو رکھیں کے بھرم اور زیادہ
ہو آل میں اللہ کے محبوب کی شامل
برسے گا نہ کیوں ابر کرم اور زیادہ
حامدؔ کی دعا ہے یہ رجزؔ کے لئے حق سے
اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

(۴) ''محترم سلطانہ مہر صاحبہ کی تصانیف ''سخنور'' چہارم اور ''گفتنی'' کے رسم اجرا پر لاس اینجلس میں پڑھے، اس عنوان سے وسیلۂ بخشش میں سات اشعار کا ایک گلدستہ ہے جس میں ''پاسبان ادب و نغمہ خوان ادب'' کی مدح کی گئی ہے اور اہل قلم و اہل سخن کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔

ادب کی راہ میں حائل تھے دشمنان ادب
نکل کے آگئے میداں میں پاسبان ادب
بتا دیا ہے زمانے کو یہ ''سخنور'' نے
سخنوروں ہی سے قائم ہے آج شان ادب
چراغ جور و جفا کے بجھا کے دنیا میں
وفا کی شمع جلاتے ہیں نغمہ خوان ادب
رخ حیات یہ اہل قلم نکھارتے ہیں
انھیں کے فن سے ہے رنگین یہ جہان ادب
رہے بہار ہمیشہ ادب کے گلشن میں
رہے چمکتا یوں ہی مہر آسمان ادب
ادیب نام تمھارا ادب سے لیتے ہیں
کہیں نہ کیوں تمھیں اے مہر پاسبان ادب
جو سیدھی جاتی ہوں منزل کی سمت اے حامد
ہو گامزن انھیں راہوں پہ کاروان ادب

(۵) محترم نسیمہ کلثوم صاحبہ کے دیوان ''افکار نسیم'' کے اجراء پر آٹھ اشعار پیش کئے گئے تھے جو ''وسیلۂ بخشش'' میں شامل ہیں۔ ان اشعار میں موصوفہ کے فکر سخن کی مدح کے ساتھ انھیں فخر شعر و سخن، رونق انجمن و شیریں سخن کہا گیا ہے۔

فخر شعر و سخن کا ذکر چھڑا
رونق انجمن کی بات چلی
تندئی و سختئی حیات گئی
ایک شیریں سخن کی بات چلی
ان کے افکارسامنے آئے
جب کبھی فکر وفن کی بات چلی

(۶) ”محترم ڈاکٹر مظفرالدین فاروقی صاحب“ کی تصنیف ”تین ملک ایک کہانی“ کی رونمائی پر پڑھے، اس عنوان سے ”وسیلۂ بخشش“ میں پانچ اشعار ہیں۔ ان اشعار میں صاحب تصنیف کی خوبیوں اور کمال فن کا ذکر کیا گیا ہے۔

بے مثالوں کی یادگار ہیں یہ
زندگی ان کی بھی مثالی ہے
ہے انوکھا جہاں تصور کا
طرز تحریر بھی نرالی ہے
ان کا فن ہے الگ زمانے سے
منفردان کی ذات عالی ہے

(۷) امریکن اردو رائٹرس سوسائٹی کی جانب سے حامدؔ صاحب کولٹریری ایوارڈ دیا گیا تھا۔ اس موقع پر انھوں نے صرف دو شعر کہے تھے اور ان میں بھی نعت کا پہلو نکال لیا تھا۔

حامدؔ پہ یہ انعام و کرم کی بارش
اللہ کی مخصوص عنایات کہیے
مداح کا عزت سے نوازا جانا
ممدوح سے اظہار محبت کہیے

○■○

اہم شخصیات کے اعزاز میں

بعض اہم شخصیات کی آمد پر ان کے اعزاز میں ادبی نشستوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور ان میں مہمان خصوصی کی خوبیوں اور کمالات کو پیش کیا جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر نظم، نثر سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ ایسے ہی چند مواقع پر حاؔمد امروہوی نے نظمیں کہی ہیں۔

(۱) خواجہ ریاض الدین عطؔش صاحب سے حامد صاحب نیاز مندانہ تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اعزاز میں ایک محفل کا انعقاد کیا گیا تو حامد صاحب نے اس محفل میں ان کی شان میں دو۔ دو اشعار پر مشتمل تین قطعات پیش کئے تھے۔ جن میں ان کی شخصی و علمی خوبیوں پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

نمونہ خلق و مروت کا ہیں جناب عطؔش
جہان مہر و محبت کا ہیں جناب عطؔش
جو دیکھا ان کو تو یاد آئی عظمت رفتہ
نشان اگلی شرافت کا ہیں جناب عطؔش

نثر کی ان سے آبرو باقی، شاعری ان پہ ناز کرتی ہے
نام ہی کے نہیں ہیں یہ خواجہ خواجگی ان پہ ناز کرتی ہے

خیال آتے ہیں امواج بحر کی مانند
جنھیں میں شعر کی صورت بنا کے پڑھتا ہوں
نہ کیوں کلام سے اپنے ہوں مطمئن حاؔمد
کہ میں جناب عطؔش کو سنا کے پڑھتا ہوں

(۲) نیاؔز گلبرگوی امریکہ میں مقیم جنوبی ہند سے تعلق رکھنے والے ایک اہم شاعر تھے۔ ان کے اعزاز میں ایک نشست کا اہتمام کیا گیا تو حاؔمد امروہوی نے ان کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہا

کس درجہ خوش بیان جناب نیاؔز ہیں
بزم سخن کی جان جناب نیاؔز ہیں

اگلی شرافتوں کی نشانی کہو انھیں
مہرو وفا کی کان جناب نیاز ہیں
حامد دیار غیر میں تنہا نہیں ہو تم
ہم فکر و ہم زبان جناب نیاز ہیں
حامد نیاز مند فقط آپ ہی نہیں
ممدوح خاندان جناب نیاز ہیں

(۳) امریکہ میں مقیم ایک سرکردہ شخصیت جناب حسن چشتی کے اعزاز میں ایک جشن منایا گیا تھا۔ اس موقع پر حامد صاحب نے دو۔ دو اشعار پر مشتمل چار قطعات پیش کیے تھے اور ان کے اوصاف حمیدہ پر روشنی ڈالی تھی۔

چشتی صاحب کے فن کی باتیں ہیں
یہ جناب حسن کی باتیں ہیں
رس گھلے کیوں نہ اپنے کانوں میں
ایک شیریں سخن کی باتیں ہیں

یہ دوستوں کے دوست بھلا کس طرح نہ ہوں
ان کو ہر ایک شخص سے الفت ہے دوستو!
دیکھا حسن کو ہم نے تو معلوم یہ ہوا
باقی ابھی جہاں میں مروت ہے دوستو!

ایثار و مروت کے طریقے بھی وہی ہیں
ہے شان وہ جو شان ہے ارباب چمن کی
کر لیتے ہیں ہم فون حسن چشتی کو حامد
یاد آتی ہے جب بھی ہمیں یاران وطن کی

حزنیہ نظمیں

انسانی زندگی خوشی و مسرت اور رنج و غم کے امتزاج سے عبارت ہے بلکہ یہ کہنا بجا ہے کہ خوشی و مسرت کے لمحات مختصر ہوتے ہیں جبکہ زندگی کا بیشتر حصہ رنج و غم، افکار و مصائب اور درد جدائی کی کلفتوں اور اذیتوں کا شکار ہوتا ہے۔ ہر شخص کو اپنے اعزاء و اقرباء اور دوست احباب کی دائمی جدائی کا غم برداشت کرنا پڑتا ہے۔ موت کے بے رحم اور سخت گیر ہاتھ اسے اپنوں سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیتے ہیں۔ اس وقت اس کے دل پر جو گزرتی ہے اسے وہی جانتا ہے۔ اس کا اظہار آہ وزاری اور نالہ وفریاد کی صورت میں ہوتا ہے، شعراء اس موقعہ پر مرثیے اور حزنیہ نظمیں لکھتے ہیں اور اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کرتے ہیں۔

حامدؔ امروہوی کو بھی ان مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ انھوں نے ایسے مواقع پر نظم میں اپنے رنج وغم اور جذبات واحساسات کا اظہار کیا ہے۔

(۱) حامدؔ امروہوی کے دوسرے مجموعہ کلام۔ ''خیابان ارم'' میں ایسی ایک نظم ''امیر احمد خسرو'' مرحوم کی یاد میں ایک جلسہ مین پڑھے گئے، کے عنوان سے ہے۔ اس میں نو (۹) اشعار ہیں۔ جن میں اس جواں سال شاعر کی موت پر اپنے رنج وغم اور قلبی کیفیات کا اظہار اور اس کی خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ابتدائی تین شعر قلبی کیفیت اور افسردگی و پژمردگی کو ظاہر کرتے ہیں۔

کچھ پریشاں سے خیالات سرشام سے تھے
کچھ عجب طرح کے حالات سر شام سے تھے
دل تو بہلاتا تھا مجھ کو میں بہلتا ہی نہ تھا
کنج تنہائی سے میں تھا کہ نکلتا ہی نہ تھا
پھر بھی دل لے کے مجھے شہر نگاراں میں گیا
گھومتا پھرتا جو میں صحن گلستاں میں گیا

وہاں پہنچ کر اس کی یاد آتی ہے کہ وہ بھی یہیں رہتا تھا۔ اس کی یاد کے ساتھ اس کی خوبیاں اور اوصاف بھی دل و دماغ میں ابھر آتے ہیں۔

دھیان آیا کہ وہ شاعر تو یہیں رہتا ہے
جس کے احساس میں اک شعلہ جبیں رہتا ہے
نیا انداز نیا طرز بیاں رکھتا تھا
اپنے منہ میں وہ اجالوں کی زبان رکھتا تھا
اپنے کردار کا وہ شخص انوکھا سا تھا
وہ تو سورج کو ہتھیلی پہ لئے پھرتا تھا
خسرو ملک سخن تھا وہ امیروں کا امیر
بلبل شیریں نوا اس کے ترنم کا اسیر

تبھی ایک غیبی آواز اس کے عدم کا پتہ دیتی ہے اور گرفتار رنج ومحن کر دیتی ہے۔

آئی آواز یہاں اب وہ نہیں رہتا ہے
آج کل شہر خموشاں میں کہیں رہتا ہے

اسی تکلیف دہ خبر کے ساتھ اس کی مغفرت اور انجام بخیر کے لئے دست دعا دراز ہوتے ہیں اور دعا ان لفظوں میں ظاہر ہوتی ہے۔

ہے دعا اس کی لحد نور سے معمور رہے
نشہ عشق شہ دیں سے وہ مخمور رہے

(۲) خواجہ ریاض الدین عطشؔ امریکہ میں مقیم سرکردہ اور فعال شاعر تھے اور ادبی محفلوں کی سرپرستی فرماتے تھے۔ حامدؔ صاحب کے ان سے نیازمندانہ تعلقات تھے باہمی محبت اور ربط وتعلق نے دونوں کو بہت قریب کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حامدؔ صاحب کے یہاں ان کا تذکرہ کئی حیثیتوں میں موجود ہے۔

''استادِ سخن'' جناب خواجہ ریاض الدین عطشؔ مرحوم کی یاد میں منعقد ایک جلسے میں پڑھے، اس عنوان سے ''وسیلۂ بخشش'' میں تیرہ اشعار پر مشتمل ایک حزنیہ نظم ہے جس میں مرحوم

کی شخصی خوبیوں اور کمال فن کے ساتھ ان کی دائمی جدائی پر رنج وغم کا اظہار بھی ہے اور اپنے دیرینہ تعلقات کا ذکر بھی، کہتے ہیں۔

دیدہ در کم ہیں تماشائی بہت — بے وفا دنیا میں ہر جائی بہت
کیوں نہ ہم کو آج یاد آئیں عطش — ان سے تھی اپنی شنا سائی بہت
تھک گیا تھا کہہ کے روداد الم — چین سے مرقد میں نیند آئی بہت
موت نے ایسے لگایا ہے گلے — زندگانی خود سے شرمائی بہت
جب چلا ذکر عطش چلتا رہا — ان کی یاد آئی تو یاد آئی بہت
ان کے ہر انداز کے چرچے ہوئے — ان کی اک اک بات یاد آئی بہت
دل بڑھایا سب کا بزم شعر میں — کی ہر اک کی ہمت افزائی بہت
تو نہیں توجان بزم شاعری — آج ہے محفل میں تنہائی بہت
آج جب موزوں ہوئے اشعار کچھ — جانے والے تیری یاد آئی بہت
تھا اکیلامحرم اسرار فن — بزم میں یوں تو تماشائی بہت
چل دیا سوئے عدم کیوں چھوڑ کر — وہ جو کرتا تھا پذیرائی بہت
قبر میں جنت کی کھڑکی کھل گئی — نسبت سرکار کام آئی بہت

کیا ہوا حامد کو کیوں خاموش ہیں
تھا انھیں تو ناز گویائی بہت

یاد عطش نے بہت پریشان کیا تو ان کی تلاش شروع ہوئی اور یاد عطش کے نام سے تین شعر ہو گئے

''تھی مجھے خواجہ عطش کی جستجو
ہر طرف کو فون کھڑکائے گئے
پر نہیں پایا کہیں تو رابطے
عالم بالا سے ملوائے گئے
معرفت رضواں کی آخر وہ جناب
جنت الفردوس میں پائے گئے''

(''وسیلۂ بخشش''، ص ۱۸۰)

(۳) پروفیسر نثار احمد فاروقی عربی، فارسی، اردو کے معروف اسکالر، محقق اور ادیب تھے۔ حامدؔ امروہوی کے ہم جماعت اور عزیز دوست تھے۔ خود حضرت رؤفؔ امروہوی اور ان کے صاجزادگان کے شعری مجموعوں پر ان کی تقریظ وتبصرے ہیں۔ ان کے انتقال پر حامدؔ امروہوی نے سات اشعار کہے جن میں ان کی خوبیوں اور اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ ''حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر کے خانوادے کے چشم وچراغ مشہور محقق اور مفکر پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی سابق صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی اور اپنے عزیز دوست کی رحلت پر'' اس عنوان سے یہ اشعار ''وسیلۂ بخشش میں شائع ہوئے ہیں۔

سخن شناس و سخن داں نثار فاروقی
تھا ایک مرد سلیماں نثار فاروقی
ہر ایک اپنے پرائے کو روشنی بخشی
تھا ایسی شمع فروزاں نثار فاروقی
محبتوں کو گلے سے لگانے والا تھا
تھا نفرتوں سے گریزاں نثار فاروقی
یہ دوستی کہ خوشی میں تھا گر شریک مرا
تو میرے غم سے پریشاں نثار فاروقی
یقین کیجئے میں نے تو یہ بھی دیکھا ہے
خطا کسی کی پشیماں نثار فاروقی
نبی کا دامن رحمت پناہ دے تجھ کو
خدا ہو تیرا نگہبان نثار فاروقی
مرے وطن کے ہزاروں ادیب ہیں حامدؔ
مگر تھا سب میں نمایاں نثار فاروقی

○■○

مخفی اور ان کا کلام

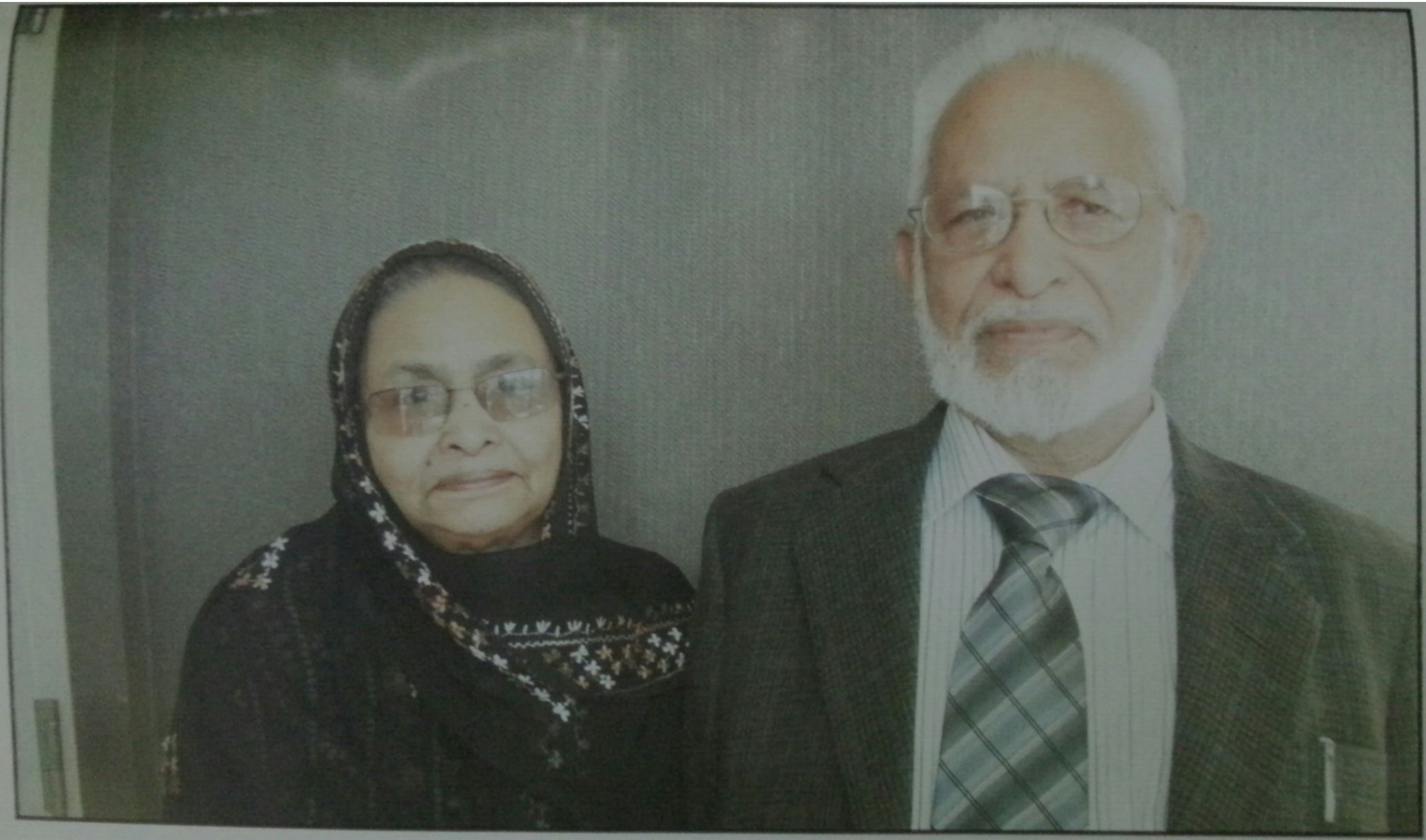

حامد امروہوی اور مخفی امروہوی

مخفیؔ - ایک مختصر تعارف

سردار خانم یوسف زئی المتخلص بہ مخفیؔ امروہوی، امروہہ کی معزز، تعلیم یافتہ اور صاحب حیثیت شخصیت سردار احمد خاں صاحب یوسف زئی کی نور نظر ہیں۔ خاں صاحب موصوف کا تذکرہ حامدؔ صاحب کے حالات میں بھی آیا ہے۔ امروہہ میں ان کی ولادت ۱۵ جنوری ۱۹۴۱ء کو ہوئی۔ اس وقت کے عام دستور کے مطابق ان کی تعلیم و تربیت گھر میں ہی ہوئی۔ اسی کے سہارے جامعہ اردو علی گڑھ کا امتحان ادیب کامل پاس کیا۔

زندگی کی اٹھارویں بہار میں وہ حامد صاحب کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئیں۔ ان کے دو بیٹے۔ محمد عامر زا اور محمد بابر مرزا کے علاوہ تین بیٹیاں ۔ ڈاکٹر زیبا جلیل، ضیاء رؤف اور زہرا قادری ہیں۔ یہ سبھی زیور علم سے آراستہ، صاحب حیثیت اور صاحب اولاد ہیں۔ دونوں بیٹے امریکہ میں مقیم اور وہاں کے شہری ہیں۔ ڈاکٹر زیبا جلیل علی گڑھ میں مقیم ہیں باقی دونوں بیٹیاں بھی امریکہ میں ہی رہائش پزیر ہیں۔

مخفیؔ نے زندگی کا بیشتر حصہ خاتون خانہ کی حیثیت سے ہی گزارا ہے لیکن کچھ عرصہ تک ذاکر حسین اسکول علی گڑھ میں معلمہ کے فرائض انجام دیئے اور امریکہ جانے کے بعد بھی کچھ دنوں تک وہاں جاب کیا۔ آج کل بھی ان کی مصروفیات گھر کی چہار دیواری میں ہی ہیں۔

ان کی تعلیم و تربیت مشرقی و گھریلو ماحول میں ہوئی اور زندگی علمی ، مذہبی اور شاعرانہ ماحول میں گزری اسلئے ان پر ان سب کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں۔ ان کی سسرال اور خود ان کے اپنے گھر کا ماحول شاعرانہ اور خصوصا نعت گوئی و نعت خوانی سے عبارت ہے اس لئے وہ بھی شعر گوئی کی طرف مائل ہوئیں لیکن شعر گوئی کو ایک عرصہ تک اپنی ذات تک محدود

رکھا۔ ان کا تخلص بھی ان کی افتاد طبع کا مظہر ہے، خود کہتی ہیں۔

نام ہی کی نہیں رہی مخفی　　کام کو بھی بچا کے رکھا تھا
کتنا مشکل ہے سوچئے تو ذرا　　اپنے فن کو چھپا کے رکھا تھا

(متاع مخفی، ص ۵۱)

امریکہ میں تنہائی سے بچنے کے لئے انھوں نے اپنے شوہر نامدار کے ساتھ مشاعروں میں شرکت شروع کردی۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ سخن فہم ہی نہیں سخن سنج بھی ہیں۔ اس پر اصرار شروع ہوا اور انھوں نے مشاعروں میں پڑھنا بھی شروع کر دیا۔ انھوں نے خواجہ ریاض الدین عطش مرحوم کے ایماواصرار پر ہی خود کو بحیثیت شاعرہ پیش کیا تھا اس لئے انھیں سے مشورہ سخن کیا اور ان کا تلمذ اختیار کیا۔ مشاعروں میں یہ شرکت صرف چند سال کے عرصہ میں محدود ہے کیونکہ انھوں نے عمرے اور زیارت مدینہ منورہ کی سعادت کے بعد یہ عہد کرلیا کہ اب کبھی مشاعروں میں شرکت نہیں کروں گی اور وہاں اپنا کلام نہیں پڑھوں گی۔ وہ اس عہد پر قائم ہیں۔

چونکہ انھوں نے بوقت فرصت اور بطور تفنن طبع یہ شعر کہے ہیں اس لئے ان کا کلام بہت مختصر ہے۔ ''متاع مخفی'' صرف ۱۳۱ صفحات میں محدود ہے۔ ان میں بھی ۳۱ صفحات نثری مضامین کے لئے مختص ہیں۔

○■○

کلام مخفیؔ: ایک جائزہ

متاعِ مخفی کا آغاز حمد سے ہوا ہے اور حمد کے صرف نو شعر ہیں۔ حمد کے بعد سات نعتیں ہیں۔ ان میں چار نعتیں سات سات اشعار پر مشتمل ہیں۔ دو نعتیں ۹-۹ اشعار پر مشتمل ہیں اور صرف ایک نعت آٹھ اشعار کی ہے اس طرح نعتوں کے کل اشعار کی تعداد ۵۴ ہے۔

منقبت صرف ایک ہے اور وہ سات اشعار کی ہے۔ البتہ غزلوں کی تعداد پچیس ۲۵ ہے اور ان کے کل اشعار ۱۸۳ ہیں۔ 'رمضان کا مہینہ' اور 'عید کا دن' کے نام سے دو نظمیں ہیں جن میں چار اور نو شعر ہیں۔ بائیس (۲۲) اشعار میں تین شعراء کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ ذاتی تاثرات چھتیس (۳۶) اشعار میں ظاہر ہوئے ہیں۔ چند متفرق اشعار و قطعات بھی ہیں۔

ان کا کل شعری سرمایہ اس طرح ہے:

۱-	حمد و نعت و منقبت	-	۷۰ اشعار
۲-	غزلیں۔ ۲۵	-	۱۸۳ اشعار
۳-	نظمیں۔ رمضان و عید پر	-	۱۳ اشعار
۴-	خراج عقیدت	-	۲۲ اشعار
۵-	ذاتی تاثرات پر مبنی	-	۳۶ اشعار
۶-	اپنے بچوں پر	-	۴۵ اشعار
۷-	قطعات و متفرق اشعار	-	۱۶
			۳۸۵

ان کی شاعری کسی فکرو فلسفہ سے نہیں زندگی کے تجربات و مشاہدات اور خالص نسائی احساسات سے عبارت ہے۔ اس میں خیالات کی پاکیزگی، فصاحت و نغمگی اور شیریں بیانی کا التزام سادہ و سلیس زبان و انداز بیان میں کیا گیا ہے۔ یہ دل کی آواز ہے جو دل کو چھوتی ہے۔ خود کہتی ہیں۔

شاعری میری کیا ہے اے تجلی
دل کی آواز لب پہ آئی ہے

(متاعِ تجلی، ص ۱۱۲)

دراصل ان کی سسرال کے شاعرانہ ماحول اور شاعر شوہر کی قربت و صحبت نے انھیں بھی اپنے دل کی بات شعری انداز میں پیش کرنے پر راغب و مجبور کر دیا اس کا اعتراف کرتے ہوئے خود انھوں نے کہا ہے۔

شعر کہنے کا سلیقہ دین ہے سسرال کی
میری یہ نسبت ہی تجلی وجہ شہرت ہو گئی

(متاعِ تجلی، ص ۹۸)

انھیں اپنی زبان اور انداز بیان پر فخر ہے اسی لئے کہتی ہیں۔

مصحفی کی زباں، زباں ہے مری　　گفتگو میں مری شرافت ہے
تجھہ اہل فن میں اے تجلی　　میرے شعروں سے میری قیمت ہے

(متاعِ تجلی، ص ۸۳)

یوں تو انسانی خواہشات اور آرزوئیں و تمنائیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ وہ دم واپسی تک 'ھل من مزید' کا نعرہ لگاتا رہتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص اپنے موجودہ حالت سے مطمئن ہو اور اس پر اپنے رب، اپنے خالق و مالک کا شکر گزار بھی ہو تو یہ بڑی بات ہے۔ 'نفس مطمئنہ' اللہ تعالی کی بڑی نعمت اور عطا ہے۔ یقیناً اللہ اپنے شکر گزار بندوں سے بہت خوش ہوتا ہے۔ یہ اطمینان اور شکر گزاری تجلی کے یہاں پائی جاتی ہے اس لئے لائق تحسین ہے۔

اللہ کے کرم کی حد ہی نہیں ہے مخفیؔ
جو چاہتی تھی وہ سب پایا ہے اس جہاں میں

(متاعِ مخفیؔ، ص ۱۳۱)

حمد و نعت ایک اچھے اور سچے مسلمان کا سب سے بڑا فریضہ اور سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ اگر یہ فریضہ ادا ہوتا رہے اور یہ سرمایہ بڑھتا رہے تو کیا کہنے ہیں، وجہ نجات اور باعث فوز و فلاح ہے۔ مخفیؔ اسی کی دعا کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

جب تک دم میں دم ہے میرا جب تک سانسیں لیتی ہوں
لب پہ نبی کا نام ہو یارب، دل میں تیری یاد رہے

(متاعِ مخفیؔ، ص ۱۱۹)

مخفیؔ اب زندگی کے سترویں (۷۰) سال میں داخل ہو چکی ہیں۔ خدا کرے کہ وہ صحت و سلامتی کے ساتھ بہت عرصہ تک نبی کے نام اور اللہ کی یاد سے دل و دماغ کو معطر اور شاد کام کرتی رہیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین و خاتم النبیین ﷺ۔

○■○

حامد و مخفی کے تعلقات۔ شعر و شاعری کے آئینے میں

حامد صاحب کو اپنی بیگم کے ساتھ غیر معمولی تعلق خاطر ہے۔ ان کی اس نظم سے اس کا پتہ چلتا ہے جو انھوں نے شادی کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر کہی تھی اور جو ''اپنی شادی کی پچاسویں سالگرہ'' پر کے عنوان سے ''وسیلۂ بخشش'' میں شائع ہو چکی ہے۔

''خدا رکھے یہ رفاقت پچاس سال سے ہے
یہ میرا گھر میری جنت پچاس سال سے ہے
وصال دوست کی نعمت سے سرفراز ہوں میں
غم فراق سے فرصت پچاس سال سے ہے
اگر وہ سایہ ہے میرا میں اس کا سایا ہوں
خدا کا شکر ہے یہ قربت پچاس سال سے ہے
ہمارے گھر میں بہاریں قیام کرتی ہیں
یہ ان بہاروں کی عادت پچاس سال سے ہے
جسے زمانہ سکون حیات کہتا ہے
ہمارے پاس وہ دولت پچاس سال سے ہے
کھلیں گے پھول چمن میں بہار آئے گی
ہمارا خواب حقیقت پچاس سال سے ہے
عروس زیست کے گیسو سنوارتے رہنا
ہماری دونوں کی عادت پچاس سال سے ہے

نظر نہ رکھنا بُرائی پہ در گزر کرنا
یہ کار چشم مروت پچاس سال سے ہے
کچھ اس طرح سے گذاری ہے زندگی ہم نے
ہمارے عشق کی شہرت پچاس سال سے ہے"
تعلقات میں آئے گا فرق کیوں حامد
ہمیں نبھانے کی عادت پچاس سال سے ہے

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۷۰-۱۷۱)

حامد صاحب نے بیگم سے محبت و مودت، تعلق خاطر اور اپنائیت کا اظہار مندرجہ بالا دس شعروں میں کیا ہے۔ دراصل میاں بیوی میں بحث و تکرار اور چھوٹے چھوٹے جھگڑے بھی انتہائی محبت اور قلبی تعلق کا حصہ ہیں۔ جھگڑنے، روٹھنے اور منانے کا بھی اپنا ایک لطف ہے بلکہ اکثر تو یہ تعلق خاطر کو بڑھانے اور اکسانے کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ اسی لئے حامد صاحب کے اس یک طرفہ بیان کے مقابلے میں ان کی بیگم مخفی صاحبہ نے زیادہ بے تکلفی و جرأت سے کام لیا ہے۔ رازہائے نہاں سے تھوڑا سا پردہ اٹھایا ہے۔ چھوٹی چھوٹی شکایات کو منظوم کر کے حقیقت کی عکاسی کی ہے، نفسیاتی امور کو زبان دی ہے اور حامد صاحب کی درون خانہ زندگی کو اپنے قاری کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ وہ اپنی نواسی کو مخاطب کر کے کہتی ہیں۔

مریم بتاؤں کیا ترا نانا دکھائی دے
بچوں میں بچا بوڑھوں میں بوڑھا دکھائی دے
کرتا ہے ختم کیسے فرج کی ہر ایک چیز
کھاتا دکھائی دے ہے نہ پیتا دکھائی دے
کاٹے ہے دن تو گاتے بجاتے ہوئے مگر
راتوں کو اٹھ کے اشک بہاتا دکھائی دے

(متاعِ مخفی، ص ۱۱۰)

مشرقی عورت اپنے شوہر کے شکوے شکایت تو کر سکتی ہے لیکن اسے بُرا نہیں کہہ سکتی اور

دوسروں کو بُرا کہنے کی اجازت تو ہرگز نہیں دے سکتی وہ اسے ہر حال میں اچھا ہی سمجھتی ہے۔ اس جذبے کے تحت مقطع میں کہتی ہیں۔

'اس کی بُرائی لاکھ زمانہ کرے مگر
مخفی مرا میاں مجھے اچھا دکھائی دے۔'

(متاعِ مخفی، ص ۱۱۰)

سبزی، ترکاری اور سالن ہر روز کا اور ہر گھر کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ پر ہر گھر میں روز تکرار ہوتی ہے۔ روٹھنا اور منانا ہوتا ہے، صلح صفائی ہوتی ہے۔ اس روز مرہ کے جھگڑے پر مخفی نے بڑی خوبی سے روشنی ڈالی ہے۔

''مونگ کی دال کیوں پکائی ہے
بس اسی بات کی لڑائی ہے
بات اپنی ہے، دل میں ہے جب تک
لب پہ آئی تو پھر پرائی ہے
گھر کی گھر میں رہے تو بہتر ہے
بات پھیلی تو جگ ہنسائی ہے۔''

(متاعِ مخفی، ص ۱۱۱)

مخفی صاحب نے بھلے یہ چاہا ہو کہ ''گھر کی یہ لڑائی'' گھر میں ہی رہے تو بہتر ہے لیکن ان کے کلام کے مرتب نے اسے شائع کر کے ''پرائی، کر دیا ہے۔ اس پر'' جگ ہنسائی، تو خیر کیا ہو گی لیکن مخفی صاحب کا نفسیاتی و نسوانی انداز ضرور ظاہر ہو گیا وہ چھوٹی اور معمولی باتوں کو بھی شعر کا جامہ پہنا سکتی ہیں۔

○■○

مخفی کی حمد وثنا

عقیدہ توحید کے ماننے والے ہر عورت و مرد کا فرض ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک اور معبود و مسجود کی عبادت اور حمد وثنا کرے، اس کے حضور سر نیاز خم کرے اور قلب و نظر کے ساتھ زبان و کلام سے بھی اس کا اظہار کرے۔

شعراء نے بھی اس فرض کو سمجھا اور نبھایا ہے اور ہمیشہ کلام کی ابتدا ''حمد الٰہی'' سے کی ہے۔ مخفی کی متاع شاعری کا آغاز بھی حمد باری تعالیٰ جَلّ و اَعلیٰ سے ہوا ہے۔ آغاز کلام ان اشعار سے ہوا ہے۔ جس میں بندوں سے اس کی قربت، کارسازی اور مشکل کشائی کا اظہار ہے کہتی ہیں۔

ہے جو نزدیک رگ جاں، تو ہے
میرے بیڑے کا نگہباں، تو ہے
جس کو ہر کام ہے مشکل، میں ہوں
جس کو ہر کام ہے آساں، تو ہے

(متاع مخفی، ص ۳۲)

ان دو اشعار کے بعد مزید سات شعروں میں ''حمد باری تعالیٰ'' بیان ہوئی ہے۔ ان کے مطابق اس دنیا میں سب کچھ ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کی بے پناہ نعمتوں اور عطیات کا کما حقہ شکر ادا نہیں ہوتا۔

شکر اس کا ادا نہیں ہوتا
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

(متاع مخفی، ص ۳۳)

حقیقت یہی ہے کہ اہل ثروت اور اصحاب جود و سخا کسی کو خواہ کتنا بھی نوازیں اور عطا کریں لیکن ان سب کی ایک حد ہوتی ہے۔ یہ صرف عطائے الٰہی ہی ہے کہ جو بے حد و بے حساب ہے، ہر ایک کی ضرورتیں پوری کرتی ہے اور ہر ایک کا بھلا کرتی ہے۔

میرے مولا تری عطا کے سوا
کوئی کچھ دے بھلا نہیں ہوتا

(متاعِ مخفی، ص ۳۳)

وہی بے سہاروں کا سہارا، مشکلوں کو آسان بنانے والا اور نا امیدی میں امید کی جوت جگانے والا ہے۔ اسی کی رحمت نجات و مغفرت کا باعث ہے ورنہ بندے کی بندگی خواہ کیسی اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی ہو بندگی کا حق ادا نہیں کر سکتی۔

آسرا تیرا کام آتا ہے
جب کوئی آسرا نہیں ہوتا
تیری رحمت سبب نجات کا ہے
بندگی کا صلہ نہیں ہوتا

(متاعِ مخفی، ص ۳۳)

کہتی ہیں مصائب و آلام میں وہی مدد کرتا ہے، اس کے سہارے اور مدد سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ وہ تو خالق و مالک ہے اس لئے اس کے حکم 'کن' سے 'فیکون' ہو جاتا ہے اس کے حکم کے بغیر پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ وہ جو چاہتا ہے، سو کرتا ہے، وہ سب سے بے نیاز ہے، پس اسی کو یکتائی و مولائی سزاوار ہے۔

کام آتا ہے جو مصیبت میں
کوئی تیرے سوا نہیں ہوتا
تو تو خالق ہر ایک چیز کا ہے
تو جو چاہے تو کیا نہیں ہوتا

(متاعِ مخفی، ص ۳۴)

ایک نظم میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، نوازشوں اور عطیات کا شکریہ ادا کیا ہے نو (۹) اشعار پر مشتمل اس غزل کے ہر شعر میں جو دو عطا کا ذکر اور پھر اس پر اظہار تشکر ہے۔ یہ غزل اپنے مکان 'نعت کدہ' کے افتتاح پر منعقد مشاعرے میں پڑھی گئی تھی۔ اس میں انسان بنانے، مسلمان بنانے، شہ دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا کرنے آل و اصحاب سے محبت و عقیدت کا جذبہ

پیدا کرنے، دیار حبیب کی زیارت سے مشرف کرانے، اہل خانہ کے امریکہ میں یکجا کرنے اور وہاں گھر عطا کرنے کے ساتھ اس تقریب کا انعقاد کرانے اور اسمیں اہل محبت کی شرکت وغیرہ نوازشات کا شکریہ ادا کیا گیا ہے اور تمام نوازشات کو تسلسل اور خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ خود انھیں کے الفاظ و انداز میں۔

اللہ اس جہان میں لانے کا شکریہ
اور پھر کنیز شاہ بنانے کا شکریہ
وہ شاہ جو ہیں باعث تخلیق کائنات
الفت کو ان کی دل مین بسانے کا شکریہ
اصحاب با وفا کی محبت عطا ہوئی
سرکار دوجہاں کے گھرانے کا شکریہ
حاضر ہوئی ہوں میں بھی دیار حبیب میں
سویا ہوا نصیب جگانے کا شکریہ
بچے جو آگئے مرے ہندوستان سے
توقیران سے میری بڑھانے کا شکریہ
اپنے نبی کے صدقے میں تو نے عطا کیا
اللہ اس حسین ٹھکانے کا شکریہ
گہرائیوں سے دل کی نہ کیسے ادا کروں
محفل میں آج آپ کے آنے کا شکریہ
دیکھا جو آپ سب کو تو گھر یاد آگیا
پردیس کو بھی دیس بنانے کا شکریہ
غم ہائے روزگار سے فرصت اگر ملی
مخفی ادا کروں گی زمانے کا شکریہ

(متاع مخفی، ص ۸۸-۸۹)

○■○

آپؐ کی نعت گوئی

[illegible]

• [illegible]

[illegible]

[illegible]

میرا ہونا وجہ زحمت تھا جہاں
اب وہاں میں وجہ رحمت ہو گئی
رحمت للعالمیں کے فیض سے
دو جہاں میں میری عزت ہو گئی
بزم ہستی میں ہوں وجہ افتخار
کیسی اچھی میری قسمت ہوگئی
پہلے زندہ دفن کر دیتے تھے لوگ
اب مرے قدموں میں جنت ہوگئی
ماں، بہن، بیٹی، بہو کے روپ میں
میں تو مخفی گھر کی زینت ہو گئی

(متاعِ مخفی، ص ۴۱-۴۲)

ایک اور نعت میں پہلے زندہ دفن کردیئے جانے اور اب اسلام کے ذریعہ عزت وافتخار پانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

جسے زندہ رہنے کا حق ہی نہ تھا
اسے زیست کا حوصلا ہو گیا

(متاعِ مخفی، ص ۴۴)

✪ نبی آخرالزماں، فخرِ بنی آدم ﷺ اپنی صفات و کمالات میں بے مثل و بے نظیر ہیں۔ کوئی ان کا ہم سر و ثانی نہیں۔ اسی کو اصطلاحاً امتناع النظیر کہا جاتا ہے یعنی آپ کی نظیر ممکن نہیں ہے۔ اسی کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

نہ ان کا کوئی ثانی ہے نہ ان کا کوئی ہمسر ہے
الگ سب سے نظر آتے ہیں وہ بزم رسولاں میں

(متاعِ مخفی، ص ۳۵)

ایک موقع پر آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

یا ابا بکر لم یعرفنی حقیقتی غیر ربی

''اے ابوبکر میری حقیقت کو بجز حق تعالیٰ کے کوئی نہیں جان سکتا۔''

اسی لئے یہ ایک متفقہ فیصلہ ہے کہ آپ کی عظمت و رفعت اور علوشان تک ذہن انسانی کی رسائی نہیں ہے۔ اسی کے پیش نظر کہتی ہیں۔

ذہن انساں میں بھلا کیا آئے عظمت آپ کی
حق تعالیٰ جانتا ہے جو ہے رفعت آپ کی

(متاع مخفی، ص ۳۷)

ﻫ ایک موقع پر ایک ہی نشست میں آپ نے دس اصحاب کرام کا نام لے لے کر فرمایا کہ وہ اور وہ جنتی ہیں ان خوش نصیب اصحاب کو ''عشرہ مبشرہ'' کہا جاتا ہے۔ اور بھی موقعوں پر بعض خوش نصیبوں کو جنت کی بشارت دی گئی۔ اسی کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

ایسے بھی جاں نثار ہیں میرے رسول کے
جو جیتے جی بہشت کے حقدار ہو گئے

(متاع مخفی، ص ۴۶)

ﻫ یہ حقیقت ہے کہ اس دنیا میں انسانیت کی فلاح ونجات اور کامیابی وکامرانی آپ کی تعلیمات، ارشادات و ہدایات میں مضمر ہے اور اس دنیا میں بھی آپ کی شفاعت کے بغیر کسی کی مغفرت نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے آپ کی ضرورت ہر وقت اور ہر جگہ ہے اسی حقیقت کے پیش نظر کہا ہے۔

بات اس دنیا کی ہو یا عاقبت کا ذکر ہو
ہم کو ہر عالم میں ہے آقا ضرورت آپ کی

(متاع مخفی، ص ۳۷)

اور اسی لئے نہ صرف خود کہ بلکہ اپنے گھرانے کو بھی نبی ﷺ کے لئے قربان کرنے پر آمادہ ہیں۔

میں بھی مخفی رہوں گی فدائے نبی
ان پہ صدقے مرا گھر کا گھر دوستو

(متاع مخفی، ص ۸۷)

مخفیؔ کی منقبت نگاری

حمد و نعت کے بعد منقبت بھی ایک اہم صنف سخن ہے۔ اصطلاحاً اصحاب کرام، اہل بیت عظام اور بزرگان دین کی تعریف و توصیف اور مدح خوانی کو منقبت کہا جاتا ہے۔ مخفیؔ کے یہاں صرف سات اشعار پر مشتمل ایک منقبت ملتی ہے اور وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان اقدس میں ہے۔ اس منقبت میں ان کی عظیم قربانی، ایثار و کرم، عزم و عمل کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ ایک شعر میں انھیں گھیر کر کربلا لانے والے اور بعد مین قلب ماہیت کے بعد ان پر جان نثار کرنے والے حضرت حُر کی خوش قسمتی کو بھی سراہا گیا ہے۔

حسین ابن علی، کی پیروئ مصطفیٰ تونے
جفائیں کرنے والوں کے لئے کی ہے دعا تونے
ترے عزم و عمل سے درس ملتا ہے زمانے کو
لٹانا گھر کا راہ حق میں آساں کردیا تونے
بھٹکنا کاروانِ شوق کا اب غیر ممکن ہے
لہو سے اپنے، راہوں میں اجالا کر دیا تونے
بتانا تھا کہ راہ حق میں کیسے جان دیتے ہیں
کیا ہے ظلم واستبداد کا خود سامنا تونے
یہ مانا تھے بہت خوش رنگ غنچے باغ ہستی میں
رنگوں کے ساتھ بخشی ہے مگر بوئے وفا تونے
ستارہ گردشوں میں آگیا تھا حُر کی قسمت کا
مگر اپنی نگاہ لطف سے چمکا دیا تونے
دعائیں دیں جناب سیدہ ؓ نے تجھ کو اے مخفیؔ
قصیدہ شان میں شبیر کی جس دم پڑھا تونے

(متاع مخفی، ص ۴۹-۵۰)

مخفی کا خراج عقیدت

معاصرین میں کچھ لوگ اپنی عمر یا علم و فضل کی بدولت اس منزل میں ہوتے ہیں جن سے نیاز مندانہ و عقیدت مندانہ تعلق ہوتا ہے۔ اس تعلق کا اظہار انھیں خراج عقیدت پیش کر کے کیا جاتا ہے۔ ان کی مدح کی جاتی ہے، ان کے اوصاف کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور ان سے قلبی تعلق کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ مخفی امروہوی نے حضرت خواجہ ریاض الدین عطشؔ، حضرت نیاز گلبرگوی، محترمہ نسیمہ کلثوم صاحبہ اور حضرت حسن چشتی صاحب کے لئے اشعار میں اپنی عقیدت و نیاز مندی کا اظہار کیا ہے۔

حضرت خواجہ ریاض الدین عطشؔ، حامد امروہوی کے کلام میں بھی بہت پائے جاتے ہیں مخفی نے خواجہ صاحب کے لئے ''نذر عقیدت'' کے عنوان سے بارہ ۱۲ شعر کہے ہیں۔ ہر شعر کا دوسرا مصرع۔ ''حضرت خواجہ عطشؔ یاد آ گئے'' ہے۔ پہلے مصرع میں ان کی شخصی خوبیوں کا تذکرہ ہے اور ہر خوبی و وصف کے ذکر کے ساتھ ''حضرت خواجہ عطشؔ یاد آ گئے'' نے ان کی عقیدت و نیاز مندی کا پتہ دیا ہے کہتی ہیں۔

شعر لکھنے کو اٹھایا جب قلم — حضرت خواجہ عطشؔ یاد آ گئے
مرد مومن کا تصور جب کیا — حضرت خواجہ عطشؔ یاد آ گئے
جب ہوئے انسانیت کے تذکرے — حضرت خواجہ عطشؔ یاد آ گئے
بات جب کی عظمت کردار کی — حضرت خواجہ عطشؔ یاد آ گئے
تھا بزرگوں کے چلن کا تذکرہ — حضرت خواجہ عطشؔ یاد آ گئے
مہر والطاف و کرم کے ذکر پر — حضرت خواجہ عطشؔ یاد آ گئے

خوش لباس کی جہاں نکلی ہے بات — حضرت خواجہ عطشؔ یاد آگئے
ذکر آیا بزم کے آداب کا — حضرت خواجہ عطشؔ یاد آگئے
فکروفن کے آئے ہیں جب تذکرے — حضرت خواجہ عطشؔ یاد آگئے
بات کی شعروسخن کی جب کبھی — حضرت خواجہ عطشؔ یاد آگئے
نثر کی رنگینیوں کا ذکر تھا — حضرت خواجہ عطشؔ یاد آگئے
مغفرت کی جب بھی کی مخفیؔ دعا — حضرت خواجہ عطشؔ یاد آگئے

(متاع مخفیؔ، ص ۱۱۴-۱۱۵)

خواجہ صاحب کے سلسلہ میں ان کا ایک اور شعر بھی حسن عقیدت وارادت کا مظہر ہے۔

شعر مخفیؔ نے عطشؔ کے جب سنے
شعر کہنے کا سلیقہ آگیا

(متاع مخفیؔ، ص ۱۱۸)

حضرت نیاز گلبرگوی کو طلبائے قدیم جامعہ عثمانیہ نے ''شاعر دکن'' کے خطاب سے سرفراز کیا تھا۔ اس موقع پر مخفیؔ امروہوی نے اُن سے اپنی عقیدت وارادت کا اظہار درج ذیل تین اشعار میں کیا تھا۔

فن کی نیاز کے عظمت سمجھو
کیوں کہتے ہو ان کو مقامی
صرف دکن کے شاعر کب ہیں
وہ تو ہیں بین الا قوامی
فخر دکن کہہ کر اے مخفیؔ
لینا ان کا نام نامی

(متاع مخفیؔ، ص ۱۱۷)

امریکہ میں مقیم محترمہ نسیمہ کلثوم صاحبہ بزرگ شاعرہ ہیں۔ ان کے مجموعہ کلام ''نشاطِ غم''

کے اجراء پر مخفیؔ نے ان سے عقیدت و محبت کا اظہار اس طرح کیا تھا

یہ اگر بزم میں نہیں آتیں
سب کو کتنا ملال ہوتا ہے
جب نسیمہ غزل سناتی ہیں
سب کا چہرہ بحال ہوتا ہے
ایک اک شعر ایک اک مصرعہ
آپ اپنی مثال ہوتا ہے
وہ رباعی، غزل، قصیدہ ہو
جو بھی ہو حسب حال ہوتا ہے
ان کے رنگ کلام میں مخفیؔ
ان کا حسن و جمال ہوتا ہے

(متاع مخفیؔ، ص ۱۱۶)

دنیائے ادب کی معروف و منفرد شخصیت، سفیر دکن حضرت حسن چشتی مدظلہہ کے جشن پر پڑھے گئے، کے عنوان سے دو شعر ''متاع مخفیؔ'' میں شامل ہیں۔ ان میں سے پہلا شعر حضرت حسن چشتی کے لئے ہے۔

جب حسن چشتی سے کی ہے گفتگو
بات کرنے کا طریقہ آگیا

(متاع مخفیؔ، ص ۱۱۸)

دوسرا شعر حضرت خواجہ عطشؔ کے لئے ہے جو ان کے تذکرے میں آچکا ہے۔

○■○

مخفی کی غزل گوئی

''متاعِ مخفی'' کا سب سے بڑا متاع غزلوں پر مشتمل ہے۔ پچیس غزلوں میں ۱۸۳، اشعار ہیں۔ ان میں سب سے مختصر غزل چار اشعار کی ہے۔ پانچ اشعار پر مشتمل غزلوں کی تعداد صرف تین ہے۔ چھ اشعار کی صرف ایک غزل ہے۔ سات اشعار پر مشتمل آٹھ غزلیں ہیں۔ آٹھ آٹھ اشعار کی چھ غزلیں ہیں۔ نو اشعار پر مشتمل غزلیں پانچ ہیں اور دس اشعار پر مشتمل صرف ایک غزل ہے۔

مخفی کی غزلیں حسن وعشق، گل وبلبل اور واردات عشق سے عبارت نہیں بلکہ زندگی کے تجربات ومشاہدات، نسوانی جذبات اور ماں کی محبت وشفقت کی ترجمان ہیں۔ ان کی غزلوں میں وہ تمام لوازمات موجود ہیں جو غزل کو مطلوب ہیں۔ ان کا کلام سادہ وسلیس، سبک وسہل اور رواں دواں ہے۔ اس میں مشکل الفاظ ومحاورات کا دخل نہیں بلکہ سہل ممتنع کی مثال ہے۔ تلخ نوائی سے انھوں نے پرہیز کیا ہے لیکن پاکیزگی خیالات، فصاحت، نغمگی وشیرینی کا التزام کیا ہے۔

غم جاناں سے نہ انھیں ذاتی زندگی میں واسطہ پڑا اور نہ انھوں نے اس کا ذکر ضروری سمجھا البتہ غم سے کون خالی ہے۔ ہر شخص کو زندگی میں مختلف قسم کے رنج وغم سہنے پڑتے ہیں بلکہ ہمیشہ غموں کا پلہ ہی بھاری پڑتا ہے اس لئے مخفی کے یہاں بھی غم اور اس کے مختلف لوازم جیسے زخم، درد، غم گسار وغم گساری، فرقت، رنج والم، روٹھنا اور منانا، حوادث ومشکلات، موت اور اس کے نتیجے میں دائمی جدائی وغیرہ خوب پائے جاتے ہیں۔

ان کے رنج وغم اور اس کے متعلقات پر مشتمل اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

'زخم دل میں نے زمانے سے چھپا رکھا ہے
اک تبسم ہے جو ہونٹوں پہ سجا رکھا ہے

ڈال کے میں نے ہر اک سمت ہنسی کے پردے
دل کے زخموں کو زمانے سے چھپا رکھا ہے
مجھ پہ کتنا غم جاناں کا کرم ہے مخفی
میرے دل کو غم دوراں سے بچا رکھا ہے

(متاع مخفی، ص ۵۲-۵۳)

زخم جو ان سے ملے ہیں انھیں گہرا کرلوں
دیکھنا ہے کہ نمک کتنا نمکدان میں ہے

(متاع مخفی، ص ۵۴)

غم الفت کی بات کس سے کہوں
جو گزرتی ہے خود ہی دل پہ سہوں
غم کو مخفی چھپا کے رکھا ہے
سب سے کہہ دوں تو کیسے ہنستی رہوں

(متاع مخفی، ص ۵۵)

رہے گی درد کی دولت سلامت
یہ قاروں تیرا سرمایہ نہیں ہے
جو سب کی غم گساری کر رہا ہو
وہ کیا سب کے لئے اچھا نہیں ہے؟

(متاع مخفی، ص ۵۶-۵۷)

حال غم پوچھنے کو لاکھوں ہیں
ایک تو درد آشنا ہوتا

(متاع مخفی، ص ۶۰)

پھول نہیں جچتے نظروں میں
ہم نے زخم دل دیکھا ہے

(متاع مخفی، ص ۶۲)

ذرا اس کو فرقت کے ماروں سے پوچھو
زمانہ بدلتا ہے حالات کیسے

(متاعِ مخفی، ص ۶۴)

کس کو معلوم ہے اس طائرِ بے کس کا الم
فصلِ گل میں ہو جسے داخلِ زنداں ہونا
گردشِ وقت کی نیرنگیاں ہم سے پوچھو
ہم نے دیکھا ہے گلستاں کا بیاباں ہونا
لذتِ دردِ محبت تجھے اللہ رکھے
کون چاہے گا بھلا غم سے گریزاں ہونا
آ گئے خود وہ مدد کو مری ہر مشکل میں
ان سے دیکھا نہ گیا میرا پریشاں ہونا

(متاعِ مخفی، ص ۶۶-۶۷)

تیر ظالم کا نشانہ ڈھونڈے
جس طرح کوئی ٹھکانا ڈھونڈے
وہ منانے سے کہاں مانے گا
روٹھنے کا جو بہانہ ڈھونڈے
ہے تیرے غم کو میرے دل کی تلاش
بے ٹھکانا ہے، ٹھکانا ڈھونڈے

(متاعِ مخفی، ص ۶۸)

وہ نت نرالے ہمیں روز زخم دے دے کر
یہ دیکھتے ہیں ابھی کتنی جان باقی ہے
کرم ہے مولا یہ تیرا حوادثِ غم میں
تری طرف تری مخفیؔ کا دھیان باقی ہے

(متاعِ مخفی، ص ۷۰-۷۱)

لوگ جو غم میں ساتھ دیتے ہیں
پہلے ہوتے تھے، اب نہیں ہوتے
کچھ نہ کچھ تو سبب رہا ہوگا
وہ خفا بے سبب نہیں ہوتے

(متاعِ مخفی، ص ۷۴)

وہ اور ہیں جنھیں حسرت ہے غم گساروں کی
غمِ حبیب مرا غم گسار کافی ہے
نہیں ہے غم جو سہارا نہ دے کوئی مخفی
میرے لئے مرا پروردگار کافی ہے

(متاعِ مخفی، ص ۷۵)

سلسلہ جب سے کائنات کا ہے
زندگی نام حادثات کا ہے
ہر کسی کو خوشی نہیں ملتی
غم دل ساری کائنات کا ہے
بات کہنے کو بر ملا کہہ دوں
خوف ترک تعلقات کا ہے

(متاعِ مخفی، ص ۷۶)

اپنی آہوں کو پگھلائیں
اشکوں کی برسات کریں
پرسش غم کو آئے غیر
ہم ان سے کیا بات کریں

(متاعِ مخفی، ص ۷۸)

روداد غم عشق کو دہرانے سے حاصل؟
انجام نہ ہو جس کا اس افسانے سے حاصل؟
جلنے کے لئے شمع کی تخلیق ہوئی ہے
پروانے سے پوچھو ترے جل جانے سے حاصل؟

(متاع مخفیؔ، ص ۸۰)

وہ وقت بھی آتا ہے جب اپنے ہی ہاتھوں سے
پایا ہے جو برسوں میں لمحوں میں وہ کھونا ہے
ڈھالوں گی غم دل کو الفاظ کے پیکر میں
اب خون تمنا کو شعروں میں سمونا ہے

(متاع مخفیؔ، ص ۸۵)

ہوگی شام الم کی سحر دوستو
میں بھی اپنا سجاؤں گی گھر دوستو
موت برحق ہے اک دن ضرور آئے گی
موت سے کب کسی کو مفر دوستو
آئی، چاہا انھیں، اور رخصت ہوئی
زیست ہے کس قدر مختصر دوستو
وہ بھی شامل مرے غم گساروں میں ہیں
آج غم ہوگیا معتبر دوستو

(متاع مخفیؔ، ص ۸۶-۸۷)

غم ہائے روزگار سے فرصت اگر ملی
مخفیؔ ادا کروں گی زمانے کا شکریہ

(متاع مخفیؔ، ص ۸۹)

✪ انسانی زندگی میں یادوں کی بڑی اہمیت ہے، دراصل قربت و وصال کے لمحات مختصر

ہوتے ہیں۔ باقی زندگی انھیں کی یادوں کے سہارے گزرتی ہے۔ یہ یادیں بڑا سرمایہ ہوتی ہیں، درد جدائی اور فرقت کے لمحات کو کم کرنے کا وسیلہ ہوتی ہیں۔ بے قراری کو قرار دیتی ہیں، دل کے بوجھ کو ہلکا کرتی ہیں۔ اس لئے ہر شخص اپنی یادوں کو بڑی حفاظت سے رکھتا ہے، ان کا ذکر، ان کا اعادہ کرتا رہتا ہے۔ مخفی نے بھی یادوں کو بڑی اہمیت دی ہے۔ ان کے متعدد اشعار اس کا ثبوت ہیں۔

راہ الفت میں ہر اک چیز لٹادی لیکن
آپ کی یاد کی دولت کو بچا رکھا ہے
خود کو تنہائی کا احساس نہ ہونے دونگی
آپ کی یاد کو سینے سے لگا رکھا ہے

(متاع مخفی، ص۵۲-۵۳)

کام ہے آپ کا آئیں کہ نہ آئیں لیکن
آپ کو یاد تو کرنا مرے امکان میں ہے

(متاع مخفی، ص۵۴)

کب اکیلی رہی ہوں میں مخفی
وہ تصور میں کب نہیں ہوتے

(متاع مخفی، ص۷۳)

خیال گیسوئے جان بہار کافی ہے
یہی علاج دل بے قرار کافی ہے

(متاع مخفی، ص۷۴)

سوچیں تجھی کو ہر لحہ
ذکر ترا دن رات کریں

(متاع مخفی، ص۷۸)

بازو ہے مرا تکیہ اور فرش بچھونا ہے
یادوں کے سوا گھر میں چاندی ہے نہ سونا ہے

(متاعِ مخفی، ص ۴۷)

زندگی کے دن گزارے ہیں جو سب کے ساتھ ساتھ
یاد آئے ہیں تو اکثر سو نہیں پائے ہیں ہم

(متاعِ مخفی، ص ۹۳)

✪ مخفی کے وجود میں ایک بھر پور ماں موجود ہے۔ ان میں پائی جانے والی ماں اور دادی، نانی کی محبت وشفقت ان کے اشعار میں بھی نظر آتی ہے۔ انھوں نے اپنے بچوں اور بچوں کے بچوں کا ذکر بڑی محبت اور والہانہ انداز میں کیا ہے۔ انھیں امریکہ جاتے وقت بچوں کے بغیر تنہا جانا پڑا تھا۔ اس وقت انھیں یہ فرقت اور دردِ جدائی بہت ناگوار اور شاق گزرا تھا۔ اس وقت ان کے تاثرات یہ تھے۔

نہ پوچھو کہ ہم دل کہاں چھوڑ آئے
جہاں اپنے بچے وہاں چھوڑ آئے

(متاعِ مخفی، ص ۹۱)

اپنے بچوں سے جدائی الامان و الحفیظ
کیا بتائیں ہو کے تنہا کتنے گھبرائے ہیں ہم

(متاعِ مخفی، ص ۹۳)

انھیں کچھ عرصہ شکاگو، امریکہ میں بچوں کے بغیر اور ان کی جدائی کے درد و کرب کے عالم میں گزارنا پڑا۔ یہ درد ایک غزل کے مقطع میں اس طرح ظاہر ہوا ہے۔

بغیر اپنے بچوں کے مخفی نہ پوچھو
شکاگو میں گزرے ہیں دن رات کیسے

(متاعِ مخفی، ص ۶۵)

میں بہت دور نکاہوں سے مگر دل کے قریب
اے خدا تو میرے بچوں کا نگہباں ہونا

(متاع بخشی، ص ۶۷)

اپنے بچوں کی خوش حالی کی دعا کرتے ہوئے کہتی ہیں۔
جہان ہستی میں پھولیں پھلیں مرے بچے
کہ جن سے آبروئے خاندان باقی ہے

(متاع بخشی، ص ۷۱)

اور جب بچے ہندوستان سے امریکہ پہنچ گئے ،فرقت کی سیاہ رات ختم ہوئی تو اللہ کے حضور انھوں نے اس کا شکر اس طرح ادا کیا۔
بچے جو آگئے مرے ہندوستان سے
توقیر ان سے میری بڑھانے کا شکریہ

(متاع بخشی، ص ۸۹)

بچوں کی آمد پر خوشی کے ساتھ ان کے دل و دماغ میں یہ سوال بھی ابھرے تھے اور وہ ان کا جواب بچوں سے چاہتی تھیں۔
دن نہیں گزرا ہے کوئی جن کی یادوں کے بغیر
ان سے پوچھے کوئی، کیا ان کو بھی یاد آئے ہیں ہم؟
دل میں جب بھی درد اٹھا ہے تو یاد آئے ہو تم
کیا خوشی کے وقت بچو! تم کو یاد آئے ہیں ہم؟

(متاع بخشی، ص ۹۳)

ان کے کلام میں پینتالیس (۴۵) اشعار اپنے بیٹوں، بیٹیوں، بہوؤں، پوتے پوتیوں اور نواسے، نواسیوں کے لئے مخصوص ہیں جن میں ان کے نام سے منسوب اشعار ہیں۔ ان کے لئے دعائیں ہیں اور ان کی ترقی وخوشحالی کے لئے نیک خواہشات کا اظہار ہے۔ وہ انھیں دنیاوی ترقی کے ساتھ دین پر بھی کاربند دیکھنا چاہتی ہیں اس کے لئے اللہ کے حضور میں

دعائیں و التجائیں بھی کرتی ہیں اور بچوں کو ہدایت بھی دیتی ہیں۔

بچو! دیکھو بھول نہ جانا دنیا کے ہنگاموں میں
وہ جو سبق مخفیؔ نے دیا ہے دین نبی کا، یاد رہے

(متاعِ مخفیؔ، ص ۱۲۰)

اپنے نواسے طلحہٰ جلیل کو دعا دیتے ہوئے کہتی ہیں۔

حاصل خدا کرے تجھے عمر دراز ہو
اُسوہ رسول پاک کا پیش نظر ہے

(متاعِ مخفیؔ، ص ۱۲۵)

اپنی ایک نواسی 'عائشہ قادری' کو نصیحت کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

عائشہ کو مرا پیام یہ ہے گھر سے باہر ہو چاہے گھر میں رہے
مرحلہ جو ہو زندگانی کا سیرت عائشہؓ نظر میں رہے

(متاعِ مخفیؔ، ص ۱۲۷)

✪ اپنے وطن خصوصاً جائے پیدائش سے محبت اور جذباتی تعلق ہر شخص کو ہوتا ہے وہ کتنا بھی عرصہ وطن سے دور دیارِ غیر میں گزارے اور ہر طرح کی آسائش و آرام اور عزت و عظمت حاصل کرے لیکن پھر بھی وطن کی یاد سے تہی دامن نہیں ہو سکتا۔ وطن ہمیشہ یاد آتا ہے۔ وہاں بار بار جانے اور اسے دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے۔ یہ فطرت مخفیؔ کے کئی شعروں میں ابھری ہے۔ وہ اپنے شہر میں اپنے مکان کی برقراری کو عزت و وقار سے تعبیر کرتی ہیں اور اس پر خدا کا شکر ادا کرتی ہیں۔

خدا کا شکر ابھی تک تو مان باقی ہے
پرانے شہر میں اپنا مکان باقی ہے

(متاعِ مخفیؔ، ص ۷۰)

لیکن پرانے گھر کے در و بام نہ رہنے کی وجہ سے اجنبی سے ہو جاتے ہیں اور ان میں اپنائیت کے ساتھ پرایاپن بھی محسوس ہونے لگتا ہے۔ اسی احساس نے ان سے یہ شعر کہلوایا ہے۔

پہلے سے درو بام، درو بام نہیں ہیں
اے کنجِ قفس اب مجھے گھر جانے سے حاصل؟

(متاعِ مخفی، ص ۸۱)

دیارِ غیر میں اگر ہم وطن مل جائیں اور یکجا ہو جائیں تو اس وقت وطن کی یاد آنا فطری ہے۔ ایسے ہی موقعہ پر انھوں نے اہلِ وطن کے ساتھ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا تھا۔

دیکھا جو آپ سب کو تو گھر یاد آگیا
پردیس کو بھی دیس بنانے کا شکریہ

(متاعِ مخفی، ص ۸۹)

امریکہ جاتے وقت ان کے جذبات و احساسات کیا تھے۔ انھیں دو شعروں میں اس طرح پیش کیا ہے۔

زباں سے کہیں کیا یہ دل جانتا ہے
کہ کس دل سے ہندوستاں چھوڑ آئے
بسالائے سانسوں میں ہم اس کی خوشبو
مہکتا ہوا گلستاں چھوڑ آئے

(متاعِ مخفی، ص ۹۱)

اسی کے ساتھ وہ صاف گوئی سے یہ اعتراف کرتی ہیں کہ وہ بہتر مستقبل کی تلاش میں امریکہ گئیں تھیں اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ امریکہ جا کر انھیں کوئی افسوس اور پچھتاوا ہوا، ہاں وطن کی محبت اور اس کی یاد آنا فطری ہے اس سے بھی مفر نہیں۔

اپنے بچوں کا ہے مستقبل نظر کے سامنے
کیسے کہہ دیں آکے امریکہ میں پچھتائے ہیں ہم

(متاعِ مخفی، ص ۹۲)

○■○

مخفی کی نظم نگاری

'متاعِ مخفی' میں چند نظمیں بھی ہیں جو کسی خاص موقع کی مناسبت سے لکھی گئی ہیں۔ مثلاً ''رمضان کا مہینہ''۔ ''عید کا دن'' وغیرہ۔

''رمضان کا مہینہ'' چار اشعار پر مشتمل نظم ہے جس میں اس ماہ مبارک کی خیر و برکت اور اہمیت و افادیت کا ذکر ہے۔ کہتی ہیں۔

بے مثل ایک مہینہ رمضان کا مہینہ
رحمت کا ہے خزینہ رمضان کا مہینہ
کیسے گزارنی ہے مومن کو زندگانی
دیتا ہے یہ قرینہ رمضان کا مہینہ
فضل و کرم کے جس میں لال و گہر چھپے ہیں
اک بے بہا دفینہ رمضان کا مہینہ
یہ ماہ و سال گویا انگشتری ہیں مخفی
ہے جس میں ایک نگینہ رمضان کا مہینہ

(متاعِ مخفی، ص ۹۰)

رمضان المبارک کی خیر و برکت سے متمتع ہونے کے معاً بعد ''عید کا دن'' بطور انعام آتا ہے۔ اس دن ہر شخص خوشی و مسرت محسوس کرتا ہے۔ نئے نئے لباس پہنتا ہے، خوشبو لگاتا ہے۔ اللہ کی نعمتوں کا ادائے شکر کرتا ہے، دوست احباب اور اعزاء و اقرباء سے ملاقاتیں کرتا ہے اور عمدہ و لذیز کھانے بنواتا ہے۔

اس دن کی کیفیت اور اس سے متعلق نسوانی جذبات و احساسات کو مخفی نے نو اشعار میں

پیش کیا ہے۔

کر غسل کہ سنت ہو ادا عید کا دن ہے
پوشاک بدل عطر لگا عید کا دن ہے
بچوں سے نہ بٹوے کو چھپا عید کا دن ہے
بیوی کے لئے سوٹ بنا عید کا دن ہے
کھانا ہو کہ پینا۔ کہیں آنا ہو کہ جانا
ہر بات میں آئے گا مزا عید کا دن ہے
آتا ہے نظر شاد، وہ بچہ ہو کہ بوڑھا
اللہ نے کیا خوب رکھا عید کا دن ہے
میخانہ الفت میں بخیلی نہیں اچھی
ساقی ہمیں بھر بھر کے پلا عید کا دن ہے
نفرت کرو نفرت سے، کدورت کو بھلا دو
لگ جاؤ گلے چھوڑو گلا عید کا دن ہے

ق

شوہر سے جو پوچھا کہو کیا آج پکاؤں
کہنے لگے جو چاہے پکا عید کا دن ہے
ہو قورمہ بریانی تنجن کہ ہو زردہ
ہر کھانے میں آئے گا مزا عید کا دن ہے
بچھڑے ہوئے بچوں سے اسے جلد ملا دے
مخفیؔ کی دعا سن لے خدا عید کا دن ہے

(متاعِ مخفیؔ، ص ۱۰۳-۱۰۴)

○■○

مخفیؔ کا قومی و ملی احساس

مخفیؔ کو قومی مسائل و مصائب اور بے حسی، بے عملی و کاہلی کا شدید احساس ہے۔ اس کا اظہار انھوں نے متعدد اشعار میں کیا ہے۔ آج بیشتر افراد قوم غیرت وحمیت سے عاری ہوکر کاہلی وتن آسانی کا شکار ہیں، ایسے لوگ تقدیر کی پناہ لیتے ہیں کہ اگر مقدر میں ہوگا تو ضرور ملے گا۔ ایسے لوگوں کی خبر لیتے ہوئے مخفیؔ کہتی ہیں۔

بیٹھے رہیں تقدیر پہ ہم کرکے بھروسہ ۔۔۔ اسطرح تو بازی کوئی جیتی نہیں جاتی
غیرت کی کرو قدر کہ غیرت ہے عجب چیز ۔۔۔ کھو جائے تو دولت سے خریدی نہیں جاتی

(متاع مخفی، ص ۵۱)

بہت سے لوگ بے عملی کے ساتھ خود فریبی کا بھی شکار ہیں۔ نہ دنیا کے لئے کچھ کرتے ہیں اور نہ آخرت کے لئے اور خود فریبی کا یہ عالم ہے کہ سمجھتے ہیں کہ ہماری نجات و بخشش تو یقینی ہے، اس دنیا میں ترقی و کامیابی اور عیش و آرام نہ سہی جنت تو یقینی ہے۔ وہاں عیش دوام حاصل ہوگا۔ حالانکہ ایسے بے عمل لوگ خسر الدنیا والاخرۃ، (یعنی یہ لوگ دنیا میں بھی خسارے میں ہیں اور آخرت میں بھی خسارے میں رہیں گے) کے مصداق ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہتی ہیں۔

یہ خود فریبی ہماری ملاحظہ تو کریں ۔۔۔ کہاں مثال کوئی ایسی دوسری ہوگی
بنا عمل کئے پکا یقیں ہے جنت میں ۔۔۔ ہمارے نام کی تختی لگی ہوگی

(متاع مخفی، ص ۱۰۱)

ایسے ہی بے عمل و بے کردار لوگوں کے متعلق کہتی ہیں۔

اس میں خطا کنویں کی نہ رسی کا کچھ قصور
لٹیا خود اپنی آپ ڈبوئے ہوئے ہیں ہم
اعمال کی تو کرتے نہیں فکر کچھ فقط
ان کے کرم پہ دال بھگوئے ہوئے ہیں ہم
کیسے مقابلہ ہو ترقی کی دوڑ میں
جاگے ہوئے ہیں غیر تو سوئے ہوئے ہیں ہم
کروٹ بدل رہا ہے زمانہ خبر نہیں
پھیلا کے پاؤں چین سے سوئے ہوئے ہیں ہم

(متاعِ مخفی، ص۱۰۵)

مخفی کی تاثراتی نظمیں

مخفی کے کلام میں ایسی کئی نظمیں ہیں جن میں ان کے ذاتی تاثرات واحساسات اور درد وکرب جھلکتا ہے۔ انھوں نے اپنے تاثرات واحساسات کو سادہ وسلیس مگر مؤثر انداز میں شعر کا جامہ پہنایا ہے۔

(۱) ۱۹۹۱ء میں انھیں حالات کے جبر نے بچوں کے بغیر امریکہ جانے پر مجبور کر دیا۔ اس دردِ جدائی کو انھوں نے رقت آمیز انداز میں پیش کیا ہے اور اپنے جذبات واحساسات کو الفاظ کے پیکر میں ڈھالا ہے۔ کہتی ہیں۔

نہ پوچھو کہ ہم دل کہاں چھوڑ آئے — جہاں اپنے بچے وہاں چھوڑ آئے
زباں سے کہیں کیا یہ دل جانتا ہے — کہ کس دل سے ہندوستاں چھوڑ آئے
بسالائے سانسوں میں ہم اس کی خوشبو — مہکتا ہوا گلستاں چھوڑ آئے
جہاں سے قدم راہ الفت میں رکھا — وہیں فکر سود و زیاں چھوڑ آئے
یقین و عمل سے ہوئی آشنائی — رہ و رسم آہ و فغاں چھوڑ آئے
تری محفل ناز سے آنے والے — یقیں لے کے آئے گماں چھوڑ آئے

محبت کی راہوں کو یوں طے کیا ہے
کہ مخفی ہم اپنے نشاں چھوڑ آئے

(متاعِ مخفی، ص ۹۱-۹۲)

(۲) "امریکہ آنے کے بعد پہلی مرتبہ ہندوستان جانے پر" اس عنوان سے دس اشعار پر

مشتمل ان کی ایک نظم ہے۔ اس سفر میں اور اس سفر سے قبل و بعد میں ان کے کیا احساسات و جذبات تھے۔ کس طرح کے سوالات ان کے دل و دماغ کو پراگندہ و پریشان کر رہے تھے۔ وہ کیا کیا جاننا چاہتی تھیں اور کیا کیا بتانا چاہتی تھیں۔ ان سبھی باتوں کو انھوں نے سادہ مگر مؤثر انداز میں نظم کیا ہے۔

یہ نہ دیکھو کیا نہیں لائے ہیں کیا لائے ہیں ہم — کیا یہ کم ہے سب کی خاطر خود چلے آئے ہیں ہم
اپنے بچوں سے جدائی الامان و الحفیظ — کیا بتائیں ہو کے تنہا کتنے گھبرائے ہیں ہم
زندگی کے دن گزارے ہیں جو سب کے ساتھ ساتھ — یاد آئے ہیں تو اکثر سو نہیں پائے ہیں ہم
دن نہیں گزرا ہے کوئی جن کی یادوں کے بغیر — ان سے پوچھے کوئی، کیا ان کو بھی یاد آئے ہیں ہم
اپنا اپنا ظرف ہے یہ، اپنی اپنی بات ہے — دوسروں نے کیں خطائیں اور شرمائے ہیں ہم
گرمیوں میں ہچکیوں کا یہ سبب سمجھا گیا — آم بچے کھا رہے ہیں، ان کو یاد آئے ہیں ہم
میں نے جب بھی مرغ کھائے ہیں کیا ہے تم کو یاد — کیا کریلے تم نے کھائے ہیں تو یاد آئے ہیں ہم
اپنے بچوں کا ہے مستقبل نظر کے سامنے — کیسے کہدیں آ کے امریکہ میں پچھتائے ہیں ہم

کتنے خوش ہیں، کتنے خوش ہیں کتنے خوش مت پوچھئے
مدتوں کے بعد مخفی اپنے گھر آئے ہیں ہم

(متاعِ مخفی، ص ۹۳-۹۴)

(۳) "۱۷ نومبر ۱۹۹۵ء کو اپنی والدہ محترمہ کے انتقال پر ہندوستان جاتے ہوئے، اس عنوان سے سات اشعار پر مشتمل ایک حزنیہ نظم ہے جس میں اس پاک ہستی اور نعمت بے بہا کی دائمی جدائی پر اپنے رنج و غم اور حزن و ملال کا اظہار کیا گیا ہے جسے 'ماں' کہتے ہیں۔ درحقیقت ماں کا کوئی بدل نہیں، اس کی ممتا کی کوئی مثال نہیں۔ ماں نہ صرف اس عالم آب و گل میں لانے کا ذریعہ و وسیلہ ہے بلکہ پرورش اور تعلیم و تربیت بھی اسی کی مرہون منت ہوتی ہے ایسی عظیم ہستی کی جدائی نقصان عظیم ہے تو پھر اس نقصان عظیم پر کون بے چین و بے قرار نہ ہوگا اور کیوں رنج و غم کا اظہار نہ کرے گا۔ ان کے جذبات واحساسات ملاحظہ کیجیے۔

جاتو رہی ہوں اب کے بھی ہندوستاں کو میں
لیکن نہ دیکھ پاؤں گی اب اپنی ماں کو میں
دست قضا نے مجھ سے وہ آغوش چھین لی
وہ جس میں بھول جاتی تھی فکر جہاں کو میں
آئے گا جو بھی مرحلہ راہ حیات میں
ہر گز نہ بھول پاؤں گی اس مہر باں کو میں
وہ جن سے میں نے سیکھے ہیں آداب زندگی
ان کی نظر سے دیکھ رہی ہوں جہاں کو میں
ان کی دعا نے اس کی بڑھائی ہیں رونقیں
ہوتی ہوں شاد دیکھ کے جس گلستاں کو میں
مطلب یہ تھا دعاؤں سے دامن بھرا رہے
جاتی تھی بار بار جو ہندوستاں کو میں
مخفیؔ مجھے یقین ہے روز جزا کے بعد
باغ جناں میں پاؤں گی پھر اپنی ماں کو میں

(متاع مخفیؔ، ص۹۵-۹۶)

غرض یہ کہ ''متاع مخفیؔ'' بہ قامت کہتر، بہ قیمت بہتر، کے مصداق بہترین متاع ہے۔ اُس مختصر سے ادبی سرمایہ سے قاری محظوظ بھی ہوتا ہے اور مستفیض بھی۔ خدا اس سرمایہ کو سلامت رکھے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین وخاتم النبیین ﷺ۔

○■○

حامدؔ و مخفیؔ کی شخصیت و شاعری مشاہیر ادب کی نظر میں

حامدؔ و مخفیؔ کی شخصیت و شاعری پر بہت سے مبصرین اور مشاہیر ادب نے اظہار خیال کیا ہے۔ ان کے اہم اقتباسات یہاں پیش کئے جا رہے ہیں تا کہ قارئین کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کی شخصیت و شاعری پر نامور اہل قلم نے کن افکار و آرا کا اظہار کیا ہے:

- ''حامدؔ امروہوی کی نعت گوئی میں وہ کیفیت اور تاثیر اور رنگ و آہنگ ہے جو محبت کی چنگاری سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی وہ صفت ہے جو سب لوازم سے بے نیاز کر دیتی ہے..... حامدؔ کے کلام میں فن کا پورا التزام بھی ہے۔ زبان و بیان سادہ اور بے عیب ہے۔ مضامین میں بہت ندرت نہ ہو تو ابتذال اور فرسودگی بھی نہیں۔ سو (۱۰۰) باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ یہ آواز دل سے نکلتی ہے اور دل پر اثر کرتی ہے اور کیا چاہئے؟ ورنہ مدحت رسول ﷺ کا حق ادا کس سے ہو سکتا ہے؟''

—پروفیسر نثار احمد فاروقی

(''مدحت کے پھول'' ص ٦-٧)

- ''حامدؔ صاحب'' ایک نعت گو شاعر ہیں اور انھوں نے اپنی شاعری کو نعت گوئی کے لئے وقف کر دیا ہے۔ حضور اکرمؐ سے ان کی عقیدت کا اظہار ان کی نعتیہ شاعری میں اس شدت سے ہوتا ہے کہ ہر شخص کے دل پر اس کا تاثر قائم رہتا ہے۔ ان کے اشعار میں سرکار دو عالمؐ سے صحیح محبت کا اظہار ہے، شعر کا حسن ہے، دل کی گہرائی سے ابلنے والے جذبات کی کیفیت ہے اور ہر شعر آمد کا ثبوت ہے۔ انھوں نے نعتیہ شاعری میں بھی ایک جداگانہ طرز کی بنیاد رکھی ہے جس

میں ردیف اور قافیہ کی انفرادیت نمایاں نظر آتی ہے۔ یہ شعر ملاحظہ کیجئے:

شاہان زمانہ کا مقام اپنی جگہ ہے
سرکار دوعالم کا غلام اپنی جگہ ہے

اس نعت میں مقام، قیام اور نظام وغیرہ قوانی ہیں اور ''اپنی جگہ'' ردیف ہے جو یقیناً دشوار کہی جاسکتی ہے لیکن کسی شعر میں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ردیف کمزور ہے۔ اس میں ردیف خود بولتی ہے اور اپنا جواب آپ ہے جو یقیناً شعری حسن کا نمونہ ہے۔ عموماً لوگ اس کا خیال نہیں کرتے۔

— شمیمؔ جے پوری

(مدحت کے پھول، ص۹)

■ ''حامدؔ امروہوی شکاگو کے ادبی حلقوں میں ایک معروف نعت گو شاعر ہیں جن کی نعتوں میں آہنگ و لحن ایک محور پر آملتے ہیں اور اس طرح انھیں ختمی مرتبت حضور اکرم ﷺ کی شان بے مثل میں معرف و مدح گو ہونے کی سعادت نصیب ہے..... جناب حامدؔ امروہوی کی نعت گوئی گام بہ گام ترقی پزیر اور درجہ بدرجہ پسندیدہ خاطر ہوتی چلی جارہی ہے۔ لفظ و معنی تک معتدبہ رسائی جہاں ان کی طبعی خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے وہاں زبان کی چاشنی، بندش کی چستی، بیان کی تازگی، خوشبو اور رنگینی، جدت کی دھنک، ترکیبات و تشبیہات کی ہم آہنگی ان کے اشعار کی شادابی کے آئینہ دار ہیں۔ حامدؔ امروہوی میں اعجازِ فن کے یہ وہ ہنر مند نکتے ہیں جو قاری اور سامع کے خوابیدہ خیالوں کو جھنجوڑ کر بیدار کرتے ہیں اور دل و دماغ کو اپنی آغوش طلسم میں لے لیتے ہیں۔''

— خواجہ ریاض الدین عطشؔ۔ مقیم شکاگو

(مدحت کے پھول، ص۱۶-۱۷)

■ ''مدحت کے پھول'' اور ''خیابان ارم'' میں حضرت حامدؔ امروہوی کے نعتیہ کلام کا مطالعہ حضور رسالتمآبؐ کے تئیں ان کی دیوانگی شوق، خود سپردگی، والہانہ کیفیت و سرمستی اور عشق و سرشاری کا احساس دلاتا ہے۔ اظہار بیان میں سلاست و روانی ان کے جذبۂ خلوص و عقیدت پر

دلالت کرتی ہے۔ اس والہانہ طرز اظہار میں نعت گوئی کی روایت بھی ہے اور صاحب کلام کی موروثی وراثت بھی..... اس شعری سرمایہ میں ان کا قلبی گداز صاف جھلکتا ہے جو ایک وجدانی کیفیت کا احساس دلاتا ہے۔ حامد صاحب کا تقریباً تمام تر کلام وفور شوق سے عبارت ہے۔ جس نے غزل کے آہنگ میں ڈھل کر ایک خاص کشش پیدا کی ہے.....

ان کے کلام کی مہک نے امروہہ سے امریکہ تک جو سفر طے کیا ہے وہ لائق صد ستائش و تہنیت ہے۔ امید ہی نہیں یقین ہے کہ نعت گوئی میں ان کا اختصاص اپنے عہد کا ایک قیمتی تحفہ ثابت ہوگا۔"

—ڈاکٹر محمد نفیس حسن

(مدحت کے پھول، ص ۲۶-۳۰)

■ امریکہ میں مقیم جناب مرزا حامد حسین حامد امروہوی ایک خوش فکر، خوش گو اور خوش اخلاق شاعر ہیں..... مزاجی طور پر وہ نعت کے شاعر ہیں اور نعت گوئی میں ہی ان کی جولانی طبع اپنے جوہر دکھاتی ہے..... میں یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جناب حامد ایک صحیح المذاق اور پُر گو شاعر ہیں اور اپنے والد حضرت رؤف سے شعر وفن کی جو وراثت انھیں ملی ہے، انھوں نے اس کی "کافی حد تک پاس داری کی ہے۔"

حامد امروہوی کی نعتوں میں درد و سوز اور محبت و شیفتگی کی اس کیفیت کی کمی نہیں جو ایک اچھے نعت گو شاعر کے لئے ضروری ہے یا جسے خانوادۂ رؤف سے وابستہ شعراء کی شناخت تصور کیا جاتا ہے۔

—ڈاکٹر تابش مہدی

(مدحت کے پھول، ص ۳۲-۳۵)

■ "میرے خیال میں حامد امروہوی نے بڑی محبت اور نہایت احتیاط سے نعتیں لکھی ہیں اور اللہ کی وحدانیت اور یکتائی کو ہمہ وقت مدنظر رکھا ہے۔ بندہ اور رسول کو نعت میں نعوذ باللہ معبود

نہیں بنا دیا ہے۔ یہ احتیاط حامدؔ امروہوی کی نعتوں کا بہت اہم وصف ہے۔"

—سیّد محمد حنیف اخگرؔ ملیح آبادی مقیم نیویارک

(خیابان ارم، ص ۱۸)

▫ "حامد امروہوی کے کئی مجموعے ہیں جن کے نام ان کی محبت عقیدت اور عبودیت کا ثبوت ہیں۔ ان کے ہر لفظ سے روشنی اور مہک محسوس ہوتی ہے۔

امروہہ، اردو ادب اور وقت حامدؔ امروہوی پر ناز کرتا ہے جو انسانوں کے ترجمان ہیں۔ شعروں کو اعتبار دے رہے ہیں، اعزاز بخش رہے ہیں۔"

—قمر علی عباسی، مقیم نیویارک

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۲)

▫ "جہاں حامد کی ساری ہی نعتیں اور منقبتیں جذبے کی گہرائی اور سنجیدگی کا ثبوت ہیں وہاں ان کے اسلوب کی سادگی، جوش اور روانی کی خصوصیات بھی اپنی طرف ہماری توجہ مبذول کراتی رہتی ہیں۔"

حامدؔ نے رسول پاکؐ کی ذات مبارک سے گہری عقیدت کا جذباتی اظہار ہی نہیں کیا ہے بلکہ ان کی سیرت عظمٰی کے متعدد پہلوؤں کو اجاگر کر کے قاری کی تعلیم کا ذریعہ بھی فراہم کیا ہے۔"

—پروفیسر ڈاکٹر دل نواز صدیقی۔ مقیم امریکہ

(وسیلۂ بخشش، ص ۱۴-۱۹)

▫ "ان کی شاعری پر گرفت ہے۔ سلیس زبان میں اور اکثر چھوٹی بحروں میں آبدار اشعار کہتے ہیں۔ بعض اشعار سہل ممتنع بن کر دل و دماغ پر سوار رہتے ہیں۔'

اس میں کوئی شک نہیں کہ حامدؔ امروہوی عشق محمدؐ میں ڈوب کر نعت کہتے ہیں۔

عشق رسول اکرمؐ حامدؔ امروہوی کے ہر شعر سے سورج کی کرن کی طرح پھوٹ رہا ہے۔''

—ڈاکٹر سیّد محمد تقی عابدی، مقیم کینیڈا

(وسیلۂ بخشش، ص ۳۶-۳۷)

■ ''ان کے کلام میں عشق نبی کے ساتھ ساتھ سپردگی کی وہ کیفیت پائی جاتی ہے جو ان کے کلام کو ایمان افروز اور مؤثر بناتی ہے۔ طرۂ امتیاز یہ ہے کہ کلام نہایت آسان زبان میں کہتے ہیں جس سے قاری اور سامع ہمنوا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔''

—صلاح الدین ناصرؔ، مقیم نیویارک

(وسیلۂ بخشش، ص ۴۳)

■ ''نعت گوئی'' بڑی احتیاط کی متقاضی ہے۔ حامدؔ صاحب اس دشوار راستے میں تول تول کے قدم رکھتے ہیں بے راہی کا ادنیٰ شائبہ بھی ان کے کلام کا دامن گیر نہیں ہے۔

اپنے جذبات محبت وعقیدت کے اظہار میں بڑی ہوش مندی سے کام لیتے ہیں۔ الفاظ کے استعمال میں بہت محتاط ہیں۔ زبان نہایت پُر اثر اور سہل ہے..... کوئی شعر جس کو بھرتی کا شعر کہا جائے، ان کی نعتوں میں ہمیں دکھائی نہیں دیتا۔ یہ ایک ایسا کمال ہے جس کی نظیر شاعری کی دنیا میں مشکل ہی سے ملے گی۔ سہل ممتنع میں ہر شعر ڈوبا ہوا ہے۔ الفاظ کا چناؤ، مترنم بحروں کا انتخاب اور منھ بولتے ردیف اور قافیے مذکورہ بالا وصف پر مزید اضافہ ہیں۔ جن کی بدولت نعتوں میں نغمے کے ساتھ ساتھ سوز کی زیریں لہریں کلام کو گداز سے ہم کنار کرتی ہیں۔''

—نیاز گلبرگوی، مقیم امریکہ

(وسیلۂ بخشش، ص ۴۸)

■ مخفیؔ نے زندگی کے مشاہدات اور تجربات کو بلکہ خالص نسائی احساسات کو بھی غزل کے آبگینے میں اپنے خوبصورت انداز میں ڈھالا ہے

مخفیؔ نے اپنے سادہ اور سچے جذبات کو ایک باوقار نسائی لہجے میں فن شاعری کے قواعد و ضوابط میں رہ کر احتیاط کے ساتھ ذاتی واردات قلبی کو ایسے دلکش انداز میں بیان کیا ہے کہ ہر شخص بالخصوص ہر خاتون کو ایسا لگنے لگا کہ جیسے مخفیؔ کا کلام اس کے اپنے احساسات کا آئینہ ہے اور میری رائے میں یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہوگی۔"

—سیّد محمد حنیف اخگر ملیح آبادی
صدر حلقۂ فن وادب شمالی امریکہ۔
(متاع مخفیؔ، ص ۱۲-۱۱)

■ مخفیؔ صاحبہ خاتون خانہ ہیں۔ گھر اور اپنے بچوں میں گھری رہنے کے باوجود وہ اتنی اچھی اور سچی شاعری کی شاعرہ ہیں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ان کی زیادہ تر شاعری غزل کی صنف میں ہے اور غزل بھی ایسی سجی ہوئی ہے کہ ہر غزل کا ہر شعر یوں لگتا ہے کہ 'کرشمہ دامن دل میں کشد کہ جاں ایں جاست'

مخفی صاحب کی شاعری... سیدھی سادی ہے۔ مفرس اور معرب الفاظ سے خالی۔ آورد مبرا آمد پر کاربند ہے۔ اتنی سبک اور سہل ہے کہ براہ راست قاری کے دل میں اتر جاتی ہے۔ مخفیؔ صاحبہ کی شاعری کا یہ بھی اک رُخ ہے کہ سہل ممتنع کو بڑی خوبی سے برتتی ہیں۔

—نیاز گلبر گوی، مقیم شکاگو
(متاع مخفیؔ، ص ۱۲-۱۳)

○■○

''خانوادۂ روؔف - خانوادۂ نعت''

زیر ترتیب

امروہہ اگر ایوان شاعری ہے تو اس کا مرکز ومحور خانوادۂ روؔف ہے۔ شعروسخن خصوصاً نعت ومناقب کے میدان میں خانوادۂ روؔف کے افراد نے اپنا منفرد و ممتاز مقام بنالیا ہے۔ اس خانوادۂ کے بانی حضرت روؔف امروہوی اور ان کے صاحبزادگان و اہل خانہ۔ حضرت سیفؔی امروہوی، حامؔد امروہوی، ساجؔد امروہوی۔ زبیر ابن سیفی اور مخفؔی امروہوی، کی شعروشاعری خصوصاً حمدونعت و منقبت اور مجموعہ ہائے کلام کا ایک مکمل اور بھرپور جائزہ مذکورہ بالا عنوان سے زیر ترتیب ہے۔ انشاء اللہ جلد شائع ہوگا۔

خانوادۂ رؤف امروہوی کی تصانیف

لہو کے رنگ	سیفی امروہوی	غزلیات
نکہتیں	سیفی امروہوی	حمد و نعت
مدحت کے پھول	حامد امروہوی	حمد، نعت و مناقب
خیابانِ ارم	حامد امروہوی	حمد، نعت و مناقب
جوئبارِ بخشش	حامد امروہوی	حمد، نعت و مناقب اردو اور رومن رسم الخط میں
رازِ بخشش	ساجد امروہوی	حمد و نعت
آرزوئے بخشش	ساجد امروہوی	حمد و نعت
متاعِ مخفی	کلام مخفی امروہوی مرتبہ حامد امروہوی	غزلیات
انوارِ رؤف معہ سوانح	ساجد امروہوی	
وسیلۂ بخشش	حامد امروہوی	مجموعۂ نعت
گہر بخشش	ساجد امروہوی	مجموعۂ نعت و مناقب
سرمایۂ رؤف امروہوی	مرتبہ حامد امروہوی	حضرت رؤف امروہوی کی تصانیف ''لخلخہ محامد''، ''گل رنگ تخیل''، ''کوثر رحمت'' اور ''اپنی زباں سے میں'' کا انتخاب
دسترس	ساجد امروہوی	

Available at :
Hamid M. Husain
6057-N. Lincoln Av., Apt-315
Chicago-IL-60659 U.S.A.